علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ

مرکزی مجلس رضا
لاہور پاکستان

فہرستِ مضامین

انتساب

میں اپنی اس ناچیز تالیف کو مولائے کائنات سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اور رئیس الانصار سیدنا سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نامہائے نامی و اسمائے گرامی سے منتسب و معنون کرنے کا شرف حاصل کرتے ہوئے انہی کی بارگاہِ رفعت پناہ میں اپنے اخلاص و عقیدت کے یہ پھول چڑھاتا ہوں۔

سید احمد سعید کاظمی امروہوی غفرلہٗ

دیباچہ

مودودی صاحب نے جس آئینہ میں اسلام اور مسلمین کو دیکھا ہے۔ کاش وہ اس میں کبھی اپنی شکل و صورت بھی ملاحظہ فرماتے تو ان پر حقیقت حال منکشف ہو جاتی۔

مودودی صاحب کی نگاہ بصیرت مودودی صاحب کی نگاہ بصیرت کا کمال یہ ہے کہ جدھر اٹھتی ہے اور جس پر پڑتی ہے اسے کمزوریاں ہی کمزوریاں نظر آتی ہیں۔ انھوں نے اسلام پر غور کیا تو جاہلیت ہی جاہلیت نظر آئی۔ مسلمانوں کو دیکھا تو سب نسلی ہی دکھائی دیئے اصلی ایک بھی نظر نہ آیا۔ صوفیاء و مشائخ کو ملاحظہ فرمایا تو سب جاہلیت کے نقشے پر سربسجود ملے۔ مجتہدین کو پرکھا تو ایک بھی اس قابل نہ نکلا کہ اس کے علوم و مناہج کی پابندی اختیار کی جائے۔ مجددین کو ٹٹولا تو ان میں بھی کوئی کامل نظر نہ آیا۔ سب ناقص و نامکمل ہی ثابت ہوئے۔ صحابہ کرام پر نظر ڈالی تو ان میں بھی لغزشیں اور غلطیاں موجود پائیں۔ بعض خلفائے راشدین پر نگاہ پڑی تو وہ بھی نااہل اور فرمان خدا و رسول کے مخالف نظر آئے۔ کچھ انبیاء کرام علیہم السلام کو دیکھا تو انھیں بھی بڑے بڑے گناہوں کا مرتکب پایا۔ ایک اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات باقی ہے جس تک ان کی نگاہ عیب جو کی رسائی محال نظر آتی ہے۔ اس لئے کہ وہ اسے دیکھ نہیں سکتے اور اگر بفرض محال دیکھ پائیں تو غالباً بے تحاشا بول اٹھیں کہ خدایا تیرا نظام حکومت درست نہیں ہے کہ عوام تک ساری خدائی کی حالت بگڑی ہوئی ہے اور تو عرش پر بیٹھا دیکھ رہا ہے۔

مختصر یہ کہ جس آئینہ پر ان کی نظر جمی ہوئی ہے اس میں انہیں کوئی بے داغ و بے عیب نظر نہیں آتا۔ اب ہم وہی آئینہ ان کے آگے رکھ کر ان سے درخواست کرتے ہیں کہ اسی آئینہ میں ذرا اپنی صورت بھی ملاحظہ فرمائیے۔ آپ کے اسلامی نظام اور حکومت الٰہیہ کے نعروں، صالحیت اور اجتہادی بصیرت کے غلغلوں اور معرفت نفس و تزکیہ باطن کے دعاوی کی اصلی صورت آپ کو نظر آ جائے گی۔ ؎

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

سبب تالیف نومبر سنہ میں مودودیوں کا ایک وفد میرے پاس آیا اور اس نے اس بات پر زور دیا کہ الیکشن کے سلسلہ میں آپ لوگ ہمارے ساتھ تعاون کریں۔ میں نے کہا کہ بعض امور میں مودودی صاحب سے ہمیں اختلاف ہے۔ جب تک وہ رفع نہ ہو جائے ہم تعمیل ارشاد سے قاصر ہیں۔ آخر کار یہ طے پایا کہ مولانا مودودی صاحب سے بالمشافہ گفتگو ہو کر اختلافیات کا تصفیہ ہو جانا چاہیئے۔ چنانچہ میں لاہور گیا اور ۵ نومبر کو رات کے ۹ بجے (مولانا مودودی صاحب کے مقرر کردہ وقت پر) ان کی کوٹھی پر پہنچا۔ مولانا غلام محمد صاحب ترنم صدر صوبہ پنجاب جمعیۃ العلماء پاکستان اور مولانا شاہ عبدالاحد صاحب ناظم شعبۂ نشریات جمعیۃ اور ملک ممتاز صاحب مینجنگ اڈیٹر نیوز پیپرز آف پاکستان و مولانا سید محمود احمد صاحب رضوی مدیر "رضوان" لاہور و مولانا محمد ارشد صاحب پناہوی نائب ناظم جمعیۃ میرے ہمراہ تھے۔ مولانا مودودی صاحب سے ملاقات ہوئی اور باقاعدہ سب کا تعارف مولانا موصوف سے کرایا گیا۔

سارھے نو بجے گفتگو شروع ہو کر ٹھیک بارہ بجے ختم ہوئی جو اسی وقت قلمبند ہو گئی تھی اور میرے ہمراہیوں کی تصدیق کے ساتھ پمفلٹ کی صورت میں "مکالمۂ کاظمی و مودودی" کے نام سے منجانب جمعیۃ العلماء پاکستان لاہور میں شائع کی گئی۔ پھر دوبارہ وہ ملتان میں طبع ہو کر شائع ہوئی۔ "زمیندار" "احسان" و دیگر اخبارات و رسائل نے بھی اسے بالاقساط شائع کیا۔

اس سے پہلے مودودی صاحب کے مخصوص اعتقادات اور جدید اصول و نظریات سے مجھے پوری طرح واقفیت نہ تھی۔ اس لئے ان کی تحریک کے متعلق میں نے اب تک اظہار خیال نہیں کیا تھا۔

اس گفتگو کے بعد ان کے بعض نظریات مجھ پر واضح ہو گئے۔ اس لئے میں نے ان کی تحریک پر غور کیا اور ان کی بعض کتابیں دیکھیں۔ ان کے مطالعہ سے جو نتائج میں نے اخذ کئے ان کا اظہار اس کتاب کے حصہ اول و دوم میں تفصیل کے ساتھ کر دیا ہے۔ یہاں صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہو گا کہ مودودی صاحب نے اکابر امت اور سلف صالحین سے الگ، اپنے لئے ایک نئی راہ نکالی ہے جس پر وہ اپنی جماعت کے ساتھ گامزن ہیں۔

انہیں اپنی اجتہادی بصیرت پر اتنا غرور ہے کہ وہ اپنے وضع کردہ اصول و نظریات کے سامنے کسی کی پروا نہیں کرتے۔ انھوں نے اکابر امت پر جو شدید نکتہ چینی کی ہے اس کتاب کے دونوں حصوں کو پڑھ کر ناظرین کرام اس کا صحیح اندازہ کر سکیں گے۔

مودودی صاحب نے قوم سے اپنے نظریات تسلیم کرانے کا عجیب طریقہ

ایجاد کیا ہے۔ وہ کسی جگہ اپنے مجتہد یا مجدد ہونے کا اقرار نہیں کرتے مگر انھوں نے اپنے انداز بیان سے اپنی جماعت کے ایک ایک فرد کے ذہن میں یہ بات راسخ کر دی ہے کہ اس وقت تک مجھ جیسا مجتہد اور مجدد پیدا نہیں ہوا۔ اسی طرح مہدویت کے بارہ میں ان کا رویہ یہ ہے کہ ابھی تک انھوں نے امام مہدی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ مگر ایک طرف تو انھوں نے امام مہدی کے کچھ ایسے من گھڑت خصوصیات لکھ دیئے ہیں جو بظاہر ان کے حسب حال ہیں۔ دوسری طرف اپنی ذات گرامی کو ان ہی خصوصیات و اوصاف کا حامل بنا کر قوم کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک شخص اپنے عقیدت مندوں سے کہے کہ سبز لباس پہننے والا آدمی ولی اللہ ہوتا ہے جو اپنے منہ سے اپنے ولی ہونے کا دعوے نہ کرے۔ پھر خود ہی سبز لباس پہن کر ان کے سامنے آجاتا ہے اور اپنی ولایت کا دعوے نہیں کرتا۔ اب بتایئے کہ ایسے آدمی کو (باوجودیکہ وہ اپنی زبان سے ولی ہونے کا دعوے نہیں کرتا) مدعی ولایت سمجھا جائے گا یا نہیں؟ مودودی صاحب نے بالکل یہی طرز عمل اختیار کیا ہے۔ گویا انھوں نے زبان قال کی بجائے زبان حال سے ادعائے مہدویت فرمایا اور اس طرح قوم کے ذہن میں اپنی مہدویت کا تصور جمانے کی کوشش کی۔

مجددین و مجتہدین حتی کہ صحابۂ کرام اور خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالے علیہم اجمعین پر انھوں نے جو کڑی نکتہ چینی کی ہے اس نے اس حقیقت کو اور بھی واضح کر دیا کہ وہ اپنا مقام امت محمدیہ میں سب سے بلند سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ایک شخص دوسرے کی اصولی غلطی اسی وقت نکال سکتا ہے جب کہ اس کی

قوتِ علمیہ اس بارہ میں اس دوسرے سے قوی اور بالاتر ہو۔

مجتہد سے اجتہادی غلطی ہو سکتی ہے (جس پر اُسے اجر ملتا ہے) مگر اس غلطی کو غلطی قرار دینا بھی مجتہد ہی کا کام ہے۔ مودودی صاحب نے اکابرِ امت کی جن باتوں کو غلط قرار دیا ہے اگر وہ انہیں اجتہادی غلطی ہی کہہ دیتے تو ہمیں ان سے ایسا شکوہ نہ ہوتا۔ حالانکہ ان کا یہ منصب بھی نہ تھا مگر انھوں نے بزرگانِ امت کے حق میں اس تخفیف کو اپنے لئے خفت اور کسرِ شان سمجھا اور اپنی مستقل قوتِ اجتہادیہ کے نشہ میں کسی کی پروا نہ کی۔ جس سے واضح ہے کہ وہ اپنے سامنے کسی کو کچھ نہیں سمجھتے۔

ان حالات میں تحریکِ مودودیت میرے نزدیک امتِ مسلمہ کے لئے ایک خوفناک فتنہ ہے جس کے فساد کا ہر پہلو صلاح کے خوبصورت پردہ میں چھپا ہوا ہے۔ اس لیے ایک ادنیٰ ترین خادمِ دین ہونے کی حیثیت سے میں نے اپنا فرض سمجھ کر یہ کتاب لکھی۔ اس موضوع پر اگر پوری وضاحت سے اظہارِ خیال کیا جائے تو غالباً کئی ضخیم جلدیں تیار ہو جائیں گی۔ لیکن اپنی انتہائی عدیم الفرصتی کے باعث میں نے اختصار سے کام لیا ہے۔ اس کے باوجود بھی مضمون اتنا طویل ہو گیا کہ ناظرین کی سہولت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مجھے اس کے دو حصے کرنے پڑے۔

میں نے اس کتاب "آئینہ مودودیت" میں جو کچھ لکھا ہے بفضلہ تعالیٰ وہ حق و صداقت پر مبنی ہے۔ جس کا کوئی معقول جواب (سوائے رجوع کے) انشاء اللہ العزیز مودودیوں سے نہ ہو سکے گا۔ ان کے پاس ہمارے ہر اعتراض کا صرف ایک جواب ہے اور وہ یہ کہ "یہ لوگ حکومت کے آلۂ کار اور ذاتی مفاد

کے پرستار ہیں"۔ اس کے متعلق میں صرف اتنا کہوں گا کہ "لعنۃ اللہ علی الکاذبین"۔ جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہو۔ ہم اپنے رب کریم کو حاضر و ناظر اور گواہ کر کے کہتے ہیں کہ نہ ہم حکومت کے آلۂ کار ہیں اور نہ ارکانِ حکومت سے ہمارا کوئی تعلق۔ بلکہ کسی سیاسی جماعت یا اسمبلی کے کسی امیدوار سے بھی ہمارا قطعاً کوئی تعلق اور لگاؤ نہیں۔ نہ اس اشاعت سے ہمارا کوئی ذاتی یا دنیوی مفاد وابستہ ہے بلکہ اس سلسلہ میں ہم مالی نقصانات سے جس قدر زیرِ بار ہو چکے ہیں وہ ہماری قوت سے کہیں زیادہ ہے۔

میری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی جبکہ ایسے لوگوں کی طرف سے اس قسم کے ذلیل، جھوٹے اور بے بنیاد الزامات سنتا ہوں جو پاکیزگیٔ اخلاق اور تزکیۂ نفس کے ساتھ صالحیت کے نعرے لگا رہے ہیں۔ ان لوگوں کے دل میں اگر ذرہ برابر بھی خوفِ خدا ہوتا تو یہ ایسی دروغ بافی اور کذب بیانی سے کام نہ لیتے پھر یہی نہیں کہ مودودی جماعت کے افراد ہی اس اکذب الحدیث میں مبتلا ہیں بلکہ ان کے امیر الصالحین مولانا مودودی صاحب بذاتِ خود بھی ہم پر یہی الزام تھوپ رہے ہیں۔

میں ان کی خدمت میں عرض کروں گا کہ کیا بغیر دلیلِ شرعی کے اس قسم کی سوءِ ظنی ان کے نزدیک کتاب و سنت کی روشنی میں جائز ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو جو لوگ قرائنِ قویہ کے ماتحت آپ کے بارہ میں حکومتِ ہند کے آلۂ کار ہونے کا گمان رکھتے ہیں آپ ان کی تصدیق فرمائیں گے؟

مجھے امید ہے کہ انصاف پسند حضرات مودودیوں کے اس کذبِ صریح

کی پرواہ کرتے ہوئے اس مضمون کو غور سے پڑھ کر حق و باطل میں امتیاز کرنے
کی کوشش کریں گے۔

اس کے بعد بزرگان و برادران ملت سے میں یہ استدعا کئے بغیر نہیں
رہ سکتا کہ اگر آپ کے دل میں مقدس اسلام کی کچھ بھی وقعت ہے اور آپ
چاہتے ہیں کہ آپ کے محبوب وطن پاکستان میں صحیح اسلامی نظام رائج
ہو، تو مرکزی جمعیۃ العلماء پاکستان کو مستحکم کرنے کی کوشش کیجئے اور صحیح العقیدہ
مسلمانوں کی مکمل تنظیم کے لئے کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہو جائیے۔ اللہ تعالیٰ
آپ کی مدد کرے گا۔

اگر اس وقت آپ نے ذرا بھی تساہل سے کام لیا تو اس کے نتائج
بہت افسوسناک ہوں گے۔ پھر وقت نکل جانے کے بعد آپ کا تأسف
بے سود ہوگا۔

مجھے قوی امید ہے کہ با احساس حضرات ضرور اس طرف متوجہ ہوں گے۔

سید احمد سعید کاظمی امروہوی غفرلہٗ

ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیۃ العلماء پاکستان

یکم فروری ۱۹۵۱ء

بروز پنجشنبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مکالمہ کاظمی و مودودی اور ہمارے دیگر مضامین سے اہل بصیرت پر مودودی
صاحب کے مشن کی حقیقت واضح ہو گئی ہے۔ لیکن بعض بھولے بھالے مسلمان
جو ابھی تک ان کی ہمنوائی کر رہے ہیں اور ان کی تحریک کے ظاہری حسن و جمال
پر شیفتہ و فریفتہ نظر آتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی نگاہیں ابھی ان
ہفت رنگ پردوں سے متجاوز نہیں ہوئیں۔ جس کو نظام اسلامی، خدا ترسی
ایمانداری، کتاب و سنت کی پیروی، حکومت الٰہیہ، اخلاق، تزکیہ اور صالحیت
وغیرہ کے نظر فریب نقوش سے مزین کر دیا گیا ہے۔ جس وقت مودودیت اپنے
اصلی خد و خال کے ساتھ ان کے سامنے بے نقاب ہو گئی۔ ان شاء اللہ اسی
دم وہ اس سے متنفر ہو جائیں گے اور بے ساختہ کہہ اٹھیں گے۔

ع خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

شدید ضرورت ہے کہ عامۃ المسلمین کو اس فتنہ سے بچانے کے لیے
جس قدر جلد ہو سکے پوری پوری اور ٹھوس کوشش کی جائے۔ کیونکہ کچھ مدت
گزرنے کے بعد اگر لوگوں کے دلوں میں مودودیت راسخ ہو گئی تو پھر ان کو
اس سے نفرت دلانا اور بچانا ایسا ہی دشوار ہو جائے گا جیسا کہ فتنہ مرزائیت
کے جڑ پکڑ جانے کی وجہ سے مسلمانوں کو اس سے بچانے اور اسلام میں واپس

لانے میں دشواریاں حائل ہیں اور ہم بڑے سے بڑے اقدام پر بھی کامیابی کی منزل سے ہمکنار نہیں ہوتے۔

مسلمان کی فطرت

مسلمان اپنی اسلامی فطرت کی وجہ سے ہمیشہ اسلام اور اسلامیات کا دلدادہ رہا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ عہدِ رسالت سے بعد یا صحیح اسلامی تعلیم کی کمی کے باعث کسی ایسے دشمنِ اسلام کے فریب کا شکار ہو جائے جس نے اسے اسلامی رنگ کے جال میں پھانس رکھا ہو۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمان نے جب بھی کسی کی آواز پر لبیک کہا، یہ سمجھ کر کہا کہ بلانے والا اسے اسلام ہی کی طرف بلا رہا ہے۔

تاریخِ اسلام شاہد ہے کہ ساڑھے تیرہ سو برس کے عرصہ میں جس شخص نے بھی اُمّتِ مُسلمہ کو اپنے اغراض و مقاصد کے لئے استعمال کیا اس نے اس کے سامنے بظاہر اسلام اور اسلامیات ہی کو رکھا۔

خوارج نے "اِنِ الحُکمُ اِلّا لِلّٰہ" (حکومتِ الٰہیہ) کا جھنڈا بلند کر کے مسلمانوں کے گروہِ عظیم کو علی مرتضےٰ کرم اللہ تعالےٰ وجہہ سے بغاوت اور قتال و جدال پر آمادہ کیا اور مسلمانوں میں وہ شدید خونریزی کرائی جس کی سرخی سے اسلامی دنیا کی سرزمین قیامت تک داغدار رہے گی۔

روافض نے حبِ اہلبیتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آڑ میں اپنا کام کیا۔ معتزلہ نے عدل و توحید کا حسین نقشہ امتِ مسلمہ کو دکھایا۔ چکڑالویوں نے قرآن کے نام پر مسلمانوں کو پکارا۔ غیر مقلدوں نے حدیث کی طرف

دعوت دی۔ وہابیوں، دیوبندیوں نے توحید کے نعرے لگا کر اُمّتِ مسلمہ پر شرک کے فتوے لگانے اور اتباعِ سنت و ردِّ بدعت کے پردہ میں خارجیت و نجدیت کا پرچار کیا۔ مشرقی نے اسلامی عسکری تنظیم اور تربیتِ جہاد کے خوشنما جال میں مسلمانوں کو پھانس کر گمراہ کرنے کی کوشش کی۔

مودودی صاحب بھی اسی راہ پر چل رہے ہیں۔ اسلامی جماعت، اسلامی نظام، تقوےٰ، طہارت اور صالحیت کے خوبصورت الفاظ جو ابھی تک شرمندہ معنی نہیں ہو سکے مسلمانوں کو اپنا آلۂ کار بنانے کے لئے استعمال کئے جا رہے ہیں اور بھولے بھالے مسلمان جو اس پُر آشوب دور میں فی الواقع اسلامی قیادت اور صحیح رہنمائی کے خواہش مند ہیں اپنے دینی جذبات سے مجبور ہو کر محض لفظی اسلام اور فرضی نظامِ قرآن کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ مگر انہیں معلوم نہیں کہ چشمۂ ہدایت کی مضطربانہ جستجو میں جس چیز کو انہوں نے آب سمجھ رکھا ہے وہ آب نہیں بلکہ سراب ہے۔

اس گئے گذرے دور میں بھی دین کے متعلق مودودی صاحب کا خیال ہے کہ اس وقت نہ خالص اسلام ہے نہ مخلص مسلمان، دونوں میں جاہلیت (کفر و شرک) کی آمیزش ہو چکی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان، اسلام اور اسلامیات کے نام پر بڑی سے بڑی قربانی کرنے کے لیے آمادہ ہے۔ حصولِ پاکستان سے پہلے مسلم لیگ کی کامیابی اسی جذبۂ قربانی کی رہینِ منت تھی۔ بلکہ خود قیامِ پاکستان، مسلم قوم کے اسی دینی جذبہ کا نتیجہ ہے۔ مسلم لیگ کا نصب العین پاکستان تھا اور پاکستان کی بنیاد

"لا الٰہ الا اللہ" قرار دی گئی تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو لیگ کامیاب
ہوتی نہ پاکستان قائم ہو سکتا۔

کروڑوں مسلمان جب اسلام اور لا الٰہ الا اللہ کی روح پرور
صداؤں کے سہارے اپنے قائدین کے پیچھے حصول پاکستان کی
دشوار گذار گھاٹیوں کو آنکھیں بند کئے ہوئے طے کر رہے تھے۔ جب اس
راہ میں لاکھوں نفوس کو قربان کرتے ہوئے منزل مقصود پر پہنچے اور آنکھیں
کھولیں تو پاکستان کا متعینہ احاطہ ضرور نظر آیا مگر لا الٰہ الا اللہ کی
بنیادوں کو آج تک ان کی نگاہیں تلاش کر رہی ہیں۔

اس ماحول میں مسلمان کا موقف بالکل وہی تھا جو شدید پیاس
کی حالت میں پانی تلاش کرتے ہوئے ریگستان میں پہنچنے کے بعد ایک
پیاسے کا ہوتا ہے۔ اس وقت اگر پانی کی شکل میں اسے زہر دکھا دیا
جائے تو وہ اس کی طرف ہی لپکے گا۔ اور اسے حاصل کرنے کی ہر ممکن
کوشش کرے گا۔

مودودی صاحب نے (جو پہلے ہی سے اس تاک میں بیٹھے ہوئے
تھے کہ کوئی ایسا موقعہ ہاتھ آئے کہ امت مسلمہ کو اپنے مخصوص اغراض
ومقاصد اور اقتدار حاصل کرنے کے لئے آلۂ کار بنایا جائے) موقعہ
کو غنیمت جان کر بروقت اسلامی نظام کا نعرہ لگا دیا اور اپنے حواریین
کی اعانت سے ملک کے طول وعرض میں ایک ہڑبونگ مچا دی جس
کا لازمی نتیجہ نفسیاتی اصول کے مطابق یہی ہو سکتا تھا کہ وہ مسلمان جو خاص

اسلامی حکومت قائم ہونے کے لئے بے مثال قربانیاں دے کر بھی ناکام
رہا تھا مودودی صاحب کے اسلامی نعروں سے متاثر ہو گئے اور فی الجملہ
ان کی تحریک کی تائید کرنے لگے۔

اگر بعض اہل بصیرت کے سامنے مودودی صاحب کچھ نہ کچھ کھل گئے
ہوتے تو یقیناً ان کی تحریک بہت آگے بڑھ جاتی۔ مگر ملک کے اکثر
اہل نظر پہلے سے ان کے اصلی روپ میں انہیں دیکھ چکے تھے اور بعض
لوگوں نے اس کشاکش کے دور میں ان کے مد وجزر سے انہیں پہچاننے کی
کوشش کی۔ اس لئے ابھی تک انہیں حسب منشا کامیابی حاصل نہیں
ہوئی۔ تاہم اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ عامۃ المسلمین پر یہ حقیقت
واضح کر دی جائے کہ مودودی صاحب کو جس مرض کی دوا سمجھا جا رہا ہے وہ
فی الواقع اس کی دوا نہیں۔ اگر آپ لوگ صحیح معنی میں اسلامی نظام کے
حامی ہیں اور اپنی حکومت کو اسلامی بنیادوں پر قائم کرنا چاہتے ہیں تو
صحیح العقیدہ مسلمانوں کی مرکزی تنظیم کا کام پوری قوت سے کیجئے۔ اور
ایوان حکومت میں ایسے لوگوں کو بھیجئے جو حقیقتاً اسلام دوست اور
اسلامی نظام کے حامی ہوں۔

مودودی صاحب اپنے منہ لاکھ میاں مٹھو بنیں یا ان کے حواری
انہیں کتنا ہی بلند پایہ صالح، متقی اور مجدد و مجتہد بلکہ امیر الصالحین اور
الامام المہدی بنا ڈالیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ مودودی صاحب اور ان
کے مشن کو جمہور مسلمانوں کے مذہب سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔

مودودی صاحب کی تحریک کا پس منظر

مودودی صاحب نے اپنی تحریک کی بنیاد حکومت الٰہیہ پر قائم کی ہے۔ حکومتِ الٰہیہ کے لفظ میں مسلمان کے لئے جو بے پناہ جاذبیت ہے محتاج بیان نہیں۔

اگرچہ وہ قیام پاکستان کے بعد حکومتِ الٰہیہ کا لفظ کبھی اتفاقیہ ہی بول جاتے ہیں اور اب نئے ماحول میں بتقاضائے مصلحت انھوں نے اسی پرانے چولے پر "اسلامی نظام" کا عبائے جدید پہن لیا ہے۔ اور بجائے حکومتِ الٰہیہ کے نظام اسلامی کا نعرہ لگا رہے ہیں۔

لیکن جب کبھی بادِ مخالف کے جھونکے سے اس عبا کا دامن اٹھ جاتا ہے تو حکومتِ الٰہیہ کا وہ پرانا چولہ صاف نظر آنے لگتا ہے یقین نہ ہو تو ۱۲ جنوری [illegible] کے "کوثر" میں مودودی صاحب کے ایک مضمون کے ضمن میں نمایاں طور پر دیکھ لیجئے "حکومتِ الٰہیہ اور اسلام"۔

جمہور مسلمان ابھی تک اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ جس حکومت الٰہیہ کی شاہراہ عمل ایک ایسی[۱] مستقل قوت اجتہادیہ سے تعمیر کی جائے

۱؎ مودودی صاحب فرماتے ہیں: "اس وقت کے حالات میں شاہراہ عمل تعمیر کرنے کے لئے ایسی مستقل قوتِ اجتہادیہ درکار ہے جو مجتہدین سلف میں سے کسی ایک کے علوم و منہاج کی پابند نہ ہو۔ اگرچہ استفادہ ہر ایک سے کرے اور پیروی کسی کی نہ کرے" (باقی بر صفحہ ۱۵)

جو مجتہدین سلف میں سے کسی ایک کے علوم و منہاج کی پابند نہ ہو خواہ وہ مجتہدین سلف امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل ہوں یا ان کے علاوہ کوئی اور امام ہو، اور جس کے بانی کی نظر میں امتِ مسلمہ کے بڑے سے بڑے جلیل القدر [illegible] اور خدا پرست لوگ اسلام کے مستقل اصول کی خلاف ورزی کرنے والے ہوں، نیز اس کے خیال میں شاہ ولی اللہ اور ان کے پہلے کے مجتہدین و مجددین کی اجتہادی بصیرت بھی ناکافی ہو[۲]۔

حتیٰ کہ امام غزالی[۳]، مجدد الفِ ثانی اور شاہ ولی اللہ جیسے لوگ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) [illegible]

(تجدید و احیاء دین مطبوعہ [illegible] صفحہ ۹۰)

۱؎ انشاء اللہ اس کا ثبوت عنقریب ہدیہ ناظرین ہوگا۔ ۱۲

۲؎ مودودی صاحب تجدید و احیاء دین کے صفحہ ۹۰ پر رقمطراز ہیں۔

"اب تجدید کا کام نئی اجتہادی قوت کا طالب ہے۔ محض وہ اجتہادی بصیرت جو شاہ ولی اللہ صاحب یا ان سے پہلے کے مجتہدین و مجددین کے کارناموں میں پائی جاتی ہے، اس وقت کے کام سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کافی نہیں ہے۔"

۳؎ مودودی صاحب مجددین پر تنقید کرتے ہوئے امام غزالی رحمۃ اللہ کے نقائص اس طرح بیان کرتے ہیں:۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

اس کے نزدیک ناقص اور غلط کار ہوں، اس کی بنیاد کس چیز پر قائم ہوگی؟ اگر آپ اس حکومت الٰہیہ کی جڑ بنیاد تلاش کرنا چاہتے ہیں تو آیئے ہم آپ کو بتائیں۔

امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی اپنی مشہور تصنیف کتاب خصائص امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب مطبوعہ مصر صہ ۳۲ پر ارقام فرماتے ہیں۔

عن عبد الله بن ابی رافع ان الحرورية لما خرجت وهو مع علی ابن ابی طالب رضی الله عنه فقالوا لاحكم الا لله قال علی رضی الله عنه كلمة حق ارید بها باطل الحديث۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

"وہ (امام غزالی) علم حدیث میں کمزور تھے۔ ان کے ذہن پر عقلیات کا غلبہ تھا۔ اور وہ تصوف کی طرف ضرورت سے زیادہ مائل تھے (ملخصاً)

نیز حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ناکامی کے اسباب بیان کرتے ہوئے مودودی صاحب تجدید و احیاء دین کے صفحہ ۴ پر فرماتے ہیں:-

"مگر غالباً اس مرض (تصوف) کی شدت کا انہیں پورا اندازہ نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں بزرگوں نے ان بیماروں کو پھر وہی غذا دے دی جو اس مرض میں مہلک ثابت ہو چکی تھی۔"

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن ابی رافع فرماتے ہیں کہ جب حروریہ خوارج نے خروج کیا اور وہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے تو انھوں نے کہا کہ اللہ کے سوا حکم کسی کے لئے نہیں ہے۔ حضرت علی مرتضےٰؓ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ بات حق ہے مگر کہنے والے کی مراد باطل ہے۔

مسلمانوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ وہی نعرہ ہے جو آج سے تقریباً تیرہ سو برس پہلے حضرت علی مرتضےٰؓ کے دشمنوں نے ان کے مقابلہ میں لگایا تھا۔ آج ہمیں بھی اس کے جواب میں وہی کہنا چاہیئے جو مولائے کائنات سیدنا علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ بات حق ہے مگر کہنے والوں کی مراد صحیح نہیں۔

ہمارے ناظرین کو تعجب ہوگا کہ خوارج تو حضرت علی مرتضےٰؓ کے کھلے دشمن تھے، مودودی صاحب نے حضرت علیؓ کے ساتھ کیا مخالفت کی ہے کہ ان کی تحریک کو تحریک خارجیت کی نشاۃ ثانیہ کہا جائے۔ لیکن چند سطور پڑھنے کے بعد یہ امر ان پر خود بخود روشن ہو جائے گا کہ اس تعجب کی وجہ صرف یہ ہے کہ ابھی تک انھوں نے گہری نظر سے مودودیت کا مطالعہ نہیں کیا۔ ذیل کی عبارات کو ذرا غور سے پڑھئے۔

منصب حکومت اور اس میں ذمہ دار عہدہ کو حاصل کرنے کی خواہش و امیدواری کے متعلق مودودی صاحب لکھتے ہیں۔

"امیدواری اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے حکومت کی ہوس، طاقت کی حرص اور اقتدار کے لالچ کا دوسرا نام ہے

یہ چیز بجائے خود اس امر کی دلیل ہے کہ جو شخص یا گروہ امیدوار بن کر اُٹھ رہا ہے وہ حکومت کی بھاری ذمہ داریوں کے بجائے اس کے فوائد و منافع پر نظر رکھتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ جس کی نظر فوائد کے بجائے اس کام کی ذمہ داریوں پر ہو اور اسے احساس ہو کہ خدا اور خلق کے سامنے اس کی کیسی سخت جواب دہی اس کو کرنی پڑے گی وہ اس بارِ عظیم کو خود اٹھانے کا خواہش مند نہیں ہو سکتا اِلّا یہ کہ یہ بوجھ اس پر ڈال دیا جائے۔ لہٰذا امیدواری فی نفسہٖ ایک ایسی علامت ہے جس سے پتہ چل جاتا ہے کہ جس شخص میں یہ چیز پائی جاتی ہے اس کا نفس احساس ذمہ داری سے خالی اور حرص و طمع کے جذبات سے لبریز ہے۔"

انتخابی جدوجہد صفحہ ۴

اے کاش، مودودی صاحب اس حرص و ہوس، لالچ اور طمع کے دائرہ کو صرف "اربابِ غرض امیدواروں" اور "اقتدار پسند خواہش مندوں" تک محدود رکھتے، اسے ضابطۂ کلیہ اور مستقل اصول نہ قرار دیتے تو اس کے ذیل میں وہ پاک باطن اکابر امت نہ آتے جنھوں نے ہر قسم کے اغراض دنیوی سے بالاتر ہو کر محض رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لیے منصب عبارت کی امیدواری یا اس کے خواہشمند ہوئے مگر مودودی صاحب نے اسے اسلام کا ایک مستقل اصول قرار دے دیا جس کی زد سے کوئی

بھی نہیں بچ سکتا۔ ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

فرماتے ہیں۔

"اسلام اسی وجہ سے امیدواری کا مخالف ہے۔ اس نے یہ مستقل اصول قائم کیا ہے کہ حکومت میں ذمہ داری کا کوئی منصب کسی ایسے شخص کو نہ دیا جائے جو خود اس کا طالب ہو۔"

انتخابی جدوجہد صفحہ ۶

اس عبارت میں مودودی صاحب نے صرف طلب منصب کو اسلام کے مستقل اصول کی خلاف ورزی قرار دیا ہے۔ اب یہ مودودی صاحب ہی کی زبان سے سُنیئے کہ اسلام کے اس مستقل اصول کی خلاف ورزی کرنے والوں میں کون کون سی ہستیاں شامل ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

"اس پورے گروہ میں صرف حضرت سعد بن عبادہ ایک ایسے شخص تھے جن کے اندر امیدواری کی بُو پائی جاتی تھی مگر سب کو معلوم ہے کہ صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا نہ ان کی روش کو پسند کیا اور مرتے دم تک وہ منفرد ہی رہے۔"

انتخابی جدوجہد ص۲۷

آگے چل کر صفحہ ۲۰ پر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

متعلق فرماتے ہیں۔

" پھر جو روایات آپ کے دعوائے خلافت کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں ان سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے اس منصب کو حاصل کرنے کے لئے کوئی جدوجہد کی تھی بلکہ صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ آپ اس کے خواہشمند تھے"

اس کے بعد مودودی صاحب نے اس سے زیادہ کھلے لفظوں میں حضرت علیؓ کو خلافت پر حریص اور اس کا خواہشمند قرار دیا ہے، چنانچہ اسی صفحہ ۲ پر حضرت عمرؓ کے آخری وقت کا ایک مقولہ نقل فرمایا ہے جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

وما یمنعنی منک یا علی الاحرصک علیها

ترجمہ: اور اے علیؓ تمہیں اپنا خلیفہ تجویز کرنے سے مجھے کوئی چیز نہیں روکتی مگر یہ کہ تم (اس پر حریص اور) اس کے خواہش مند ہو۔

مودودی صاحب کی ان عبارات کو، ان کے مستقل اصول اور حرص وہوس۔ لالچ اور طمع کے حکم سے ملایئے تو نتیجہ واضح ہے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ اور حضرت علی مرتضےؓ دونوں حرص وہوس اور لالچ وطمع میں گرفتار اور اسلام کے مستقل اصول کے مخالف تھے۔

اگر مودودی صاحب کے دل میں ان بزرگوں کی ذرہ برابر بھی وقعت ہوتی تو وہ اپنے اس نظریئے پر نظر ثانی کرتے اور جن دلائل کی روشنی میں انھوں نے یہ نظریہ قائم کیا تھا ان میں غور کر کے اس بات کو

سمجھنے کی کوشش کرتے کہ یہ بزرگ جن کی موجودگی میں سارا قرآن کریم نازل ہوا اور ان کی تمام عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں گزری جن کو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے نجوم ہدایت فرمایا اور ان کے حق میں علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین" ارشاد فرما کر امت مسلمہ کو ان کی سنت پر عمل کرنے کا حکم دیا وہ کس طرح اسلام کے مستقل اصول کی خلاف ورزی کرنے والے ہو سکتے ہیں اور اس نظریہ کے مطابق انہیں کیونکر حریص اور لالچی قرار دیا جا سکتا ہے؟ اور یہ بات ان کی شان کے لائق کب ہو سکتی ہے کہ ان کے نفوس قدسیہ احساس ذمہ داری سے خالی ہوں؟

مگر مودودی صاحب کو ان چیزوں پر غور کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ وہ تو اپنے مقابلہ میں کسی کو کچھ سمجھتے ہی نہیں۔ انھوں نے آگے چل کر ایک سشن جج کی صورت میں حضرت سعد بن عبادہ انصاریؓ اور حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی اس امیدواری کے خلاف نہ صرف فیصلہ بلکہ وہ آخری فیصلہ صادر فرما دیا جس کی اپیل حکومت الٰہیہ میں بھی نہ ہو سکے۔

ارشاد ہوتا ہے:۔

"آخری فیصلہ کن بات اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اگر صحابہ کرامؓ یا بزرگان سلف میں سے کسی کا عمل ایک طرف ہو اور اللہ

اور رسول کے صاف صاف ارشادات دوسری طرف تو ہمارے لئے یہ کسی طرح جائز نہیں کہ خدا اور رسول کے فرمان کو چھوڑ کر کسی بزرگ کے عمل کو اپنے لئے قانون زندگی قرار دیں۔

جس کا جو عمل بھی فرمانِ خدا و رسول سے مختلف ہو وہ ایک لغزش ہے نہ کہ حجت ان بزرگوں کی خوبیاں اور خدمات تو اتنی ہیں کہ ان کی لغزشیں معاف ہو جائیں گی۔ مگر ہم سے زیادہ بد قسمت کون ہوگا اگر ہم اپنے گناہوں کے ساتھ اگلے پچھلے بزرگوں کی لغزشیں بھی چن چن کر اپنی زندگی میں جمع کر لیں۔"

دیکھا آپ نے مودودی صاحب کا زورِ بیان اور رعاکی نہ انداز، کس جرأت اور بے باکی سے حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت علی مرتضےٰ کو فرمانِ خدا کا مخالف قرار دے رہے ہیں اور ان کے عمل کو لغزش بتا رہے ہیں۔ مودودی صاحب کی نوک قلم سے بھی لغزش نہیں ہو سکتی اور علی مرتضےٰ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالےٰ عنہما کا دل و دماغ عمر بھر لغزش میں مبتلا رہ سکتا ہے العیاذ باللہ والیہ المشتکی۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے علاماتِ قیامت بیان فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا۔

(ولعن آخر هذه الامة اولها رواه الترمذی مشکوٰۃ شریف صفحہ ۴۷۰)

ترجمہ:۔ اس امت کے پچھلے لوگ، پہلے لوگوں کے حق میں طعن و تشنیع کریں گے۔

مودودی صاحب نے عملاً اس حدیث کی تصدیق فرمائی اور خوارج کی طرح صحابہ کرامؓ خصوصاً حضرت علی مرتضےٰؓ کو فرمان خدا و رسولؐ کا مخالف کہہ کر اپنی اصلیت ظاہر کر دی۔

پھر انھوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ حضرت علیؓ کو لالچی، حریص فرمانِ خدا و رسول کا مخالف قرار دے کر چھوڑ دیا ہو۔ بلکہ درحقیقت ان کی خلافت کی جڑ کاٹ دی۔

ابھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ مودودی صاحب نے اسلام کا مستقل اصول بتایا ہے کہ حکومت میں کوئی ذمہ دار منصب کسی ایسے شخص کو نہ دیا جائے جو اس کا خواہشمند اور امیدوار ہو۔ اور یہ بھی آپ نے انھیں کی زبان سے سن لیا کہ حضرت علیؓ منصب خلافت کے طالب اور اس کے خواہشمند تھے۔ اسی جرم کی پاداش میں تو وہ حضرت علی مرتضےٰؓ کے عمل کو فرمانِ خدا و رسول سے مختلف اور لغزش قرار دے چکے ہیں۔

حضرت علی کا خلیفہ ہونے تک امیدوارِ خلافت رہنا ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اجمالاً مودودی صاحب اسے تسلیم کر چکے ہیں اور تفصیل دیکھنی ہو تو تاریخ الخلفاء میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان پڑھ لیجئے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔

وما قبض تذكرت في نفسي قرابتي وسابقتي وسابقتي وفضلي وانا اظن ان لا يعدل بي۔

ترجمہ:۔ جب حضرت عمرؓ کا وصال ہونے لگا تو میں نے اپنے دل میں غور کیا اور اپنی قرابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور اسلام میں اپنی سبقت اور اعمال اور دیگر فضیلتوں کو دیکھا تو مجھے خیال پیدا ہوا کہ حضرت عمرؓ اب میری خلافت میں اعتراض نہ فرمائیں گے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ نے جب خلافت کا معاملہ چھ آدمیوں کے سپرد کر دیا اور وہ لوگ انتخاب کے لئے بیٹھے تو حضرت علیؓ کے دل میں پھر خلافت کی خواہش پیدا ہوئی جیسا کہ ان کے بیان سے ظاہر ہے۔ فرماتے ہیں۔

فلما اجتمع الرهط ظننت ان لا يعدلوا بي۔

ترجمہ:۔ جب وہ لوگ انتخاب خلیفہ کے لئے جمع ہوئے تو میں نے گمان کیا کہ یہ لوگ میری خلافت میں دریغ نہ کریں گے۔

مگر عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جب حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو انھیں حقیقت حال کا علم ہوا اور انھوں نے پھر اپنے امر میں غور فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

فنظرت في امري فاذا طاعتي قد سبقت بيعتي واذا ميثاقي قد اخذ لغيري۔

ترجمہ:۔ جب حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت ہو چکی، تو میں نے

اپنے امر پر غور کیا اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ میری بیعت، میری اطاعت پر غالب آگئی اور مجھ سے جو وعدہ لیا گیا تھا وہ دوسرے کی اطاعت کے واسطے لیا گیا تھا۔

بالآخر حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی جب حضرت عثمانؓ شہید ہو گئے تو حضرت علیؓ کے دل میں پھر خلافت کی خواہش پیدا ہوئی۔ دیکھئے حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔

فلما اصيب نظرت في امري فاذا الخليفتان اللذان اخذاها بعهد رسول الله صلى الله عليه وسلم اليهما بالصلوة قد مضى وهذا الذي قد اخذ له الميثاق قد اصيب فبايعني اهل الحرمين واهل هذين المصرين فوثب فيها من ليس مثلي ولا قرابته كقرابتي وما علمه كعلمي ولا سابقته كسابقتي وكنت احق بها منه۔ (تاریخ الخلفاء ص۱۲۵)

ترجمہ:۔ پھر جب حضرت عثمانؓ کی شہادت ہو گئی تو میں نے سوچا کہ وہ دونوں خلیفہ جن کی خلافت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نماز پڑھوا کر ہم سے عہد لیا تھا گزر گئے اور جن کے لئے مجھ سے وعدہ لیا گیا تھا وہ بھی چل بسے اب میرے سوا خلافت کا حقدار کون ہو سکتا ہے، چنانچہ اہل حرمین اور کوفہ و بصرہ والوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اب اس امر خلافت میں ایک ایسا شخص کود پڑا (یعنی امیر معاویہ) جو نہ قرابت میں میری مثل ہے نہ علم میں، نہ سبقت اسلام میں۔

کسی بات میں بھی وہ میری مثل نہیں اور میں ہر طرح اس سے زیادہ خلافت کا حق دار ہوں۔

حضرت علیؓ کے بیان سے جو اقتباسات ہم نے یہاں درج کئے ہیں ان سے ظاہر ہے کہ ان کے دل میں ابتداء امر سے خلافت کی خواہش تھی اور یہ خواہش ان کے ہاتھ پر بیعت خلافت کئے جانے تک ان کے دل میں باقی رہی۔ اس تفصیل کو ذہن نشین کرنے کے بعد اس امر کا فیصلہ ناظرین کرام خود فرمائیں کہ جب حضرت علیؓ خلافت کے خواہشمند تھے (جیسا کہ مودودی صاحب خود تسلیم کر چکے ہیں) اور مودودی شریعت میں خلافت کے امیدوار کو خلافت دینا جائز نہیں تو جن لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے انہیں منصب خلافت دیا وہ سب ناجائز فعل کے مرتکب اور اسلام کے مستقل اصول کے مخالف ہوئے یا نہیں؟ اور اس صورت میں حضرت علیؓ کی خلافت اسلام کے مستقل اصول کے خلاف اور ناجائز قرار پائی یا نہیں؟

اب آپ ہی بتائیے کہ حضرت علیؓ کے خلاف مودودی صاحب اس سے بڑھ کر کونسا محاذ جنگ قائم کریں گے؟

یہی تھی وہ حقیقت جس سے ہم عامۃ المسلمین کو آگاہ کرنا چاہتے تھے امید ہے کہ اب ان کا تعجب کافی حد تک رفع ہو گیا ہوگا اور اس بیان کو پڑھ کر مودودیت کی جڑ بنیاد ان کے ہاتھ آگئی ہوگی۔

۱؎ مودودی صاحب نے اپنی خارجیت پر نقاب ڈالنے کے لئے (باقی صفحہ ۲۷ پر)

خارجیت کی نشاۃ اولیٰ اور ثانیہ کی دورنگی کا سبب

آپ کو معلوم ہوگا کہ جب حضرت امیر معاویہ کی طرف سے عمرو بن العاص اور حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ اشعری حَکَم مقرر ہوئے اور طرفین نے اس کو منظور کر لیا تو خوارج (جو حضرت علیؓ کے گروہ میں شامل تھے) یہ کہہ کر باغی ہو گئے کہ "لَاحُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ" یعنی حکم تو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ۱۲ر جنوری [illegible] کے کوثر میں علامہ آمدی اور شیخ محمد خضری کے دو جملے ان کی کتابوں سے نقل کئے ہیں کہ اعلموا انہ لاحاکم سوی اللہ ولاحکم الا ما حکم بہ اور ان الحکم ھو خطاب اللہ فلا حکم الا للہ وھذہ قضیۃ اتفق علیھا المسلمون قاطبۃ۔ مطلب یہ ہے کہ اگر حکومت الٰہیہ کے نعرے سے ہم خارجی ہو گئے تو علامہ آمدی اور شیخ محمد خضری بلکہ تمام مسلمان خارجی قرار پائیں گے۔ اس لئے کہ لاحاکم سوی اللہ اور لاحکم الا للہ پر تمام امت مسلمہ متفق ہے۔

مودودی صاحب سے کوئی اتنا پوچھے کہ ان کلمات کے حق ہونے اور ان کی صحیح مراد پر ایمان رکھنے میں کس مسلمان نے اختلاف کیا ہے۔ اختلاف تو اس بات میں ہے کہ ان کی صحیح مراد کیا ہے؟ حضرت علیؓ نے خارجیوں کے جواب میں یہی فرمایا تھا کہ کلمۃ حق ارید بھا باطل، بات حق ہے مگر اس سے باطل مراد لیا گیا ہے۔ ان الحکم الا للہ اور اس کے ہم معنی سب کلمات حق ہیں (باقی صفحہ ۲۸ پر)

صرف اللہ کے لئے ہے۔ آپ (علیؓ مرتضٰی) نے بندوں کا حکم کیسے منظور کرلیا؟ اسی بنیاد پر انھوں نے تحریک خارجیت کو قائم کیا اور مسلمانوں کے سامنے حکومت الٰہیہ کا جاذب نظر نقشہ رکھ دیا۔

ان کا قول بھی یہی تھا کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں صاف طور پر اعلان فرمارہا ہے کہ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ" فرمان خدا و رسول کے خلاف حضرت علیؓ کا عمل حجت نہیں ہوسکتا۔

چونکہ اس زمانہ میں حضرت علیؓ کی مخالفت کا بازار گرم تھا اور ایک بڑی فوجی طاقت ان سے نبرد آزما تھی اس لئے وہ ماحول ہی کچھ ایسا تھا کہ اس دور کے "حکومت الٰہیہ" والے علی الاعلان حضرت علیؓ سے جدال وقتال کے لئے میدان میں آگئے۔ مگر اس زمانہ کا ماحول

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بے شک تمام امت کا اس پر اتفاق رہا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ حکومت الٰہیہ کے فریب لگانا اور اس کی باطل مراد پر اپنی تحریک کو قائم کرنا خوارج کے سوا کسی کا طرز عمل آپ ثابت کرسکتے ہیں؟ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ حکومت الٰہیہ کے نعروں پر آج تک کوئی تحریک قائم نہیں ہوئی۔ سوائے خارجی اور مودودی تحریک کے۔ اس لئے ان دو جملوں کے نقل کرنے سے مودودی صاحب کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک کہ وہ یہ ثابت نہ کریں کہ حکومت الٰہیہ کے نعروں پر کوئی ایسی تحریک بھی آج تک قائم ہوئی ہے جو خارجیت سے پاک ہو۔ ۱۲:

اس سے بالکل مختلف ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ مودودی صاحب اسی گروہ عظیم کو اپنا آلۂ کار بنانے کے لئے حکومت الٰہیہ کا نعرہ لگا رہے ہیں جو خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے بعد حضرت علیؓ ہی کے زمانۂ خلافت کو حکومت الٰہیہ کا دور سمجھتا ہے۔

اندریں حالات مودودی صاحب کی سیاسی مصلحتیں انھیں کب اجازت دے سکتی ہیں کہ وہ واضح طور پر بالکل وہی رنگ اختیار کریں جو ان کے سلف نے اختیار کیا تھا۔ اسی لئے انھوں نے اپنی عبارت میں بہت ہی پیچ وتاب کھایا ہے۔ اور بار بار رنگ بدلنے کی کوشش کی ہے۔ کلام کا مدّ وجزر ان کی طبیعت کے اتار چڑھاؤ کو اچھی طرح واضح کر رہا ہے۔

"مدّ شدید کا یہ عالم ہے کہ بے ساختہ مولانا نے کا ئنات کو فرمان خدا ورسول کا مخالف کہہ رہے ہیں اور جزر کی یہ کیفیت ہے کہ (بالکل غیر ارادی طور پر) بزرگوں، خوبیاں، خدمات اور معافی کے الفاظ بول کر اپنے مخالفانہ جذبہ کو چھپانے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم

مسئلہ امیدواری کی توضیح اور اس میں مودودی صاحب سے ہمارے اختلاف کی نوعیت

مودودی صاحب کے دلائل پر تبصرہ کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اس مسئلہ کی توضیح اور نوعیت اختلاف کی تنقیح کر دی جائے۔

ارباب غرض کا اپنے اغراض فاسدہ کی خاطر اسمبلی کی ممبری یا حکومت کے کسی عہدہ کا امیدوار بن کر کھڑا ہونا بالاتفاق ناجائز اور فرمان خدا و رسول کے خلاف ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں اور اس میں بھی شک نہیں کہ دنیوی حرص و طمع کی خاطر، یا احساس ذمہ داری سے بے پروا ہو کر اللہ تعالے سے توفیق و تائید طلب کئے بغیر محض اپنی ذات پر وثوق و اعتماد کر کے منصب حکومت کا طالب و امیدوار ہونا بھی شرعاً مذموم ہے۔ لیکن اگر کوئی مرد متقی (جو حکومت کا کاروبار چلانے کی پوری اہلیت رکھتا ہو) محض اس لئے حکومت میں کسی ذمہ دار منصب کا طالب ہوتا ہے کہ خوف خدا کے تحت اپنی ذمہ داریوں کو اچھی طرح محسوس کر کے عدل و انصاف کے مطابق حکومت کے فرائض انجام دینا اس کے نزدیک موجب رضائے الٰہی اور باعث اجر عظیم ہے۔ کوئی دنیاوی حرص و طمع اس کے دل میں نہیں۔ وہ اپنے نفس پر اقامت عدل کے بارے میں پورا وثوق رکھتا ہے اور اس کے ساتھ اللہ تعالے کی طرف سے توفیق و تائید کا بھی طالب ہے تو ہم اس کی اس طلب و امیدواری کو جائز بلکہ

بمقتضائے حدیث شریف انما الاعمال بالنیات "مستحسن و موجب اجر و ثواب سمجھتے ہیں۔ اور مودودی صاحب اس کو بھی قطعاً حرام و ناجائز" نیز اسلام کے مستقل اصول کے خلاف اور فرمان خدا و رسول کی مخالفت قرار دیتے ہیں۔

رہی یہ بات کہ ایسا آدمی کہاں مل سکتا ہے جو تمام صفات مذکورہ کا جامع ہو اور وہ سب شرائط اس میں پائے جاتے ہوں جو اوپر بیان کئے گئے۔

اس زمانہ کا حال دنیا پر روشن ہے کہ ظاہری تقدس کے باوجود بھی باطنی پاکیزگی مفقود ہے۔ ہر طرف حرص و ہوا، خودستائی، نفس پرستی کا دور دورہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ صحیح ہے کہ اس زمانہ میں ایسا آدمی نہیں مل سکتا تو مودودی صاحب صالح نمائندے کہاں سے لائیں گے؟ ان شرائط کے بغیر تو شرعاً کوئی نمائندہ صالح نہیں ہو سکتا اور اس سے یہ حقیقت بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ مودودیوں کے ظاہری پردہ صالحیت میں بھی باطنی پاکیزگی مفقود ہے اور ان کی گلبانگ صالحیت، نعرۂ خودستائی سے زیادہ نہیں۔

ہمارے بیان سابق میں مودودی صاحب کے اس اعتراض کا جواب بھی آگیا ہے کہ

یہ چیز بجائے خود اس امر کی دلیل ہے کہ جو شخص یا گروہ امیدوار بن کر اٹھ رہا ہے وہ حکومت کی بھاری ذمہ داریوں کی بجائے اس کے

فوائد و منافع پر نظر رکھتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ جس کی نظر فوائد کے بجائے اس کام کی ذمہ داری پر ہو اور جسے احساس ہو کہ خدا اور خلق کے سامنے اس کی کیسی سخت جواب دہی اس کو کرنی پڑے گی وہ اس بارِ عظیم کو خود اٹھانے کا خواہشمند نہیں ہو سکتا۔" انتخابی جدوجہد صفحہ ۹

اس کا مطلب یہ ہے کہ منصبِ حکومت کی طلب اور اس کی خواہش صرف اس وجہ سے ہوتی ہے کہ طلب کرنے والے کی نظر اپنی جواب دہی اور حکومت کی ذمہ داریوں پر نہیں بلکہ اس کے فوائد و منافع پر ہے۔

میں عرض کروں گا کہ اپنی جواب دہی اور حکومت کی ذمہ داریوں پر نظر رکھتے ہوئے عدل و انصاف سے حکومت کرنا رضائے الٰہی کا موجب ہے یا نہیں؟ ہر ادنیٰ سمجھ والا انسان بھی اس کا جواب اثبات میں دے گا پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ رضائے الٰہی کا حصول، طلبِ حکومت کے لئے وجہِ وجیہ کیوں نہیں ہو سکتا؟ اور یہ کیوں ممکن نہیں کہ ایک مردِ مومن حکومت کے دنیاوی فوائد و منافع سے بے نیاز ہو کر داد پروری اور عدل گستری کے ذریعے صرف رضائے الٰہی حاصل کرنے کی غرض سے منصبِ حکومت کا طالب و خواہشمند ہو۔ کیا مودودی صاحب کے نزدیک اسلام میں اتنی پاکیزگی اور روحانیت بھی نہیں کہ جن لوگوں کی فطرت میں اسلام پوری طرح راسخ ہو چکا ہے وہ اس کی بدولت اپنی اس خواہش اور امیدواری کے دامن کو دنیاوی حرص و طمع سے

پوری طرح پاک رکھ سکیں۔

ممکن ہے یہاں مودودی صاحب پھر یہ فرمائیں کہ چونکہ اس زمانہ میں ایسے لوگ نہیں پائے جاتے جو اپنے دامنِ طلب کو حرص و طمع کے داغ سے بچا سکیں۔ اس لئے ہم نے یہ مستقل اصول مقرر کیا ہے کہ کسی امیدوار کو کوئی عہدہ نہ دیا جائے۔ لیکن میں ان کی خدمت میں پھر عرض کروں گا کہ بھاڑ میں جھونکئے اس پُر فتن زمانہ کو اور آگ لگائیے اس زمانہ کے طامع و حریصِ جاہ امیدواروں کو، ہمیں اس سے کیا بحث! یہ بات تو آپ ان لوگوں سے فرمائیے جو اس زمانہ کے کسی امیدوار کے حمایتی ہوں، ہمیں ان سے کیا غرض۔

ہمارا مقصد تو اس ساری بحث و تمحیص سے صرف یہ ہے کہ ان صحابۂ کرام کو آپ کی زد سے بچا لیا جائے جنھیں آپ نے اپنے مستقل خود ساختہ اسلامی اصول کے تحت رگڑ کر فرمانِ خدا و رسول کا مخالف قرار دیا ہے مانا کہ اس زمانہ میں ایسے لوگ کمیاب بلکہ نایاب ہیں لیکن کیا عہدِ رسالت میں بھی ایسے لوگ نہ تھے۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت سے بھی یہ بات بعید تھی کہ حضور کے صحابہؓ، حضور کے شرفِ صحبت سے فیضیاب ہو کر طلبِ امارت کے دامن کو حرص و طمع کے داغوں سے بچا سکیں۔

حضرت سعد بن عبادہ کے متعلق مودودی صاحب کی شدید غلط فہمی اور اس کا ازالہ

مودودی صاحب کی یہ عبارت آپ پڑھ چکے

ہیں کہ:۔

"اس پورے گروہ میں صرف حضرت سعد بن عبادہ ایک شخص تھے جن کے اندر امیدواری کی بو پائی جاتی تھی مگر سب کو معلوم ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا نہ ان کی روش کو پسند کیا اور مرتے دم تک وہ منفرد ہی رہے۔"

مودودی صاحب نے جس انداز سے حقیقت کو چھپانے کی کوشش کی ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔ کیا مودودی صاحب ثابت کر سکتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے حضرت سعد بن عبادہ کا ساتھ اس لئے نہیں دیا کہ وہ خلافت کے امیدوار تھے؟ اگر امیدواری کی بنا پر صحابہ کرامؓ نے ان کا ساتھ چھوڑا ہوتا تو حضرت علیؓ کی خلافت کو انھوں نے کیسے تسلیم کر لیا؟ وہ تو خود آپ کی تصریحات کے مطابق اخیر تک اس کے خواہشمند رہے۔

مودودی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ صحابہ کرامؓ جو ان کی خلافت پر راضی نہ ہوئے اور اس معاملہ میں ان کا ساتھ نہ دیا اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امر خلافت کو قریش میں متعین فرمایا تھا اور سعد بن عبادہ قریش سے نہ تھے۔

ملاحظہ فرمایئے بخاری شریف جلد ثانی ص۱۰۵۱ ان ھذا الامر فی قریش۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ امر خلافت

قریش میں منحصر ہے۔

اگر آپ کے خیال کے مطابق صحابہ کرام نے انھیں اس لئے چھوڑا ہو تاکہ وہ خلافت کے امیدوار تھے تو سقیفہ بنی ساعدہ میں (جہاں حضرت سعد کی خلافت کے لئے انصار کا اجتماع ہوا تھا اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی قیادت میں مہاجرین وہاں پہنچے تھے) حضرت سعد کے خلاف کوئی ایک صحابی تو ان کی امیدواری کو بطور دلیل پیش کرتا مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت سعد کو مخاطب کر کے فرمایا۔

ولقد علمت یا سعد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال وانت قاعد قریش ولاۃ ھذا الامر الخ

(تاریخ الخلفاء للسیوطی ص۵۴)

ترجمہ:۔ اور اے سعد تمہیں معلوم ہے، تمہارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ خلافت قریش کے لئے ہے۔

اس تفصیل سے بخوبی واضح ہو گیا کہ سید الانصار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے خلاف مودودی صاحب کا یہ بیان قطعاً غلط اور ان پر یہ اتہام ہے کہ ان کی امیدواری کی وجہ سے صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا اور وہ مرتے دم تک منفرد ہی رہے۔

مودودی صاحب نے اپنے اس بیان میں صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ حضرت سعدؓ کی عزت و وقعت امت مسلمہ کی نگاہوں میں کم کر دی

بلکہ انھیں اسلام کے اس مستقل اصول کا مخالف بھی قرار دے دیا کہ "حکومت میں ذمہ داری کا کوئی منصب اس کے امیدوار کو نہ دیا جائے" اگر حضرت سعدؓ اس اصول کے قائل ہوتے تو ان میں امیدواری کی بُو پیدا ہی نہیں ہو سکتی تھی۔

مسئلۂ امیدواری میں مودودی صاحب کے دلائل اور ان پر تنقید!

مودودی صاحب کا دعویٰ ہے کہ حکومت میں ذمہ داری کا کوئی منصب کسی ایسے شخص کو دینا جو خود اس کا طالب ہو اسلام کے مستقل اصول کے خلاف اور شرعاً ناجائز ہے۔ اسی طرح ایسے منصب کے لئے کسی کا امیدوار اور خواہش مند ہونا بھی فرمانِ خدا و رسول کے قطعاً خلاف ہے۔

چونکہ آپ ایک عظیم الشان "ترجمان القرآن" ہیں اور ساتھ ہی مجتہدِ اعظم بھی، اس لئے نہایت ضروری تھا کہ آپ قرآن مجید کی کسی آیت کا ایسا ترجمہ فرمائیں جس سے یہ بات قطعی طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے کہ اس قسم کی امیدواری انسان کو جہنم رسید کر دیتی ہے۔ لہٰذا قطعاً ناجائز حرام اور خدا و رسول کے فرمان کی صریح مخالفت ہے۔

اس اہم ضرورت کے پیشِ نظر آپ کافی عرصہ تک غور و خوض فرماتے رہے کہ کونسی ایسی آیت کا ترجمہ کیا جائے جس سے کم از کم فوری

طور پر ہی یہ ضرورت پوری ہو سکے،

بلکہ سورۂ قصص کی ایک آیت کو تختۂ مشق بنا ہی ڈالا۔ سنئے ارشاد ہوتا ہے۔

"قرآن شریف میں صاف فرمایا گیا:

تلك الدار الآخرة نجعلها للذين لا يريدون علوا في الارض ولا فسادا والعاقبة للمتقين (القصص)

ترجمہ:۔ وہ آخرت کا گھر (یعنی جنت) ہم ان لوگوں کے لئے رکھیں گے جو زمین میں خود بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد کا ارادہ رکھتے ہیں اور عاقبت صرف خدا ترس لوگوں کے لئے ہے۔

(انتخابی جدوجہد صفحہ ۸،۷)

اس آیت کریمہ کے لفظ "علواً" سے مودودی صاحب نے حکومت کی امیدواری اور خواہشمندی مراد لی ہے۔ مگر میں نہیں سمجھ سکتا کہ علواً کے بعد "ولا فساداً" کا لفظ جب خود اس کی تفسیر کرتے ہوئے اسے سرکشی ظلم اور تکبر کے معنی میں متعین کر رہا ہے اور مفسرین کرام اس کے یہی معنی بیان کر رہے ہیں تو پھر مودودی صاحب نے محض اپنی رائے سے اس کی تفسیر کرنے کی جرأت کیسے فرمائی؟ اور اگر ان کے نزدیک علوا سے مراد محض برتری اور بلندی ہی ہے تو اس کی امیدواری کا ناجائز ہونا خود ان کے نزدیک بھی صحیح نہیں۔ دیکھئے وہ خود اپنی ایک تقریر میں اپنی جماعت کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔

"آپ حضرات یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ آپ درا صل امت وسط بننے کے امیدوار ہیں۔ آپ کا مقصود یہ ہے کہ اس مقام بلند کو حاصل کریں۔ اتنے بڑے منصب کی امیدواری کے لئے اُٹھ کھڑا ہونا اور نہ پھر اس کی عظیمت کو محسوس کرنا نہ اس کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنا ایک عظیم الشان بے خبری ہے"

(ترجمان القرآن بابت مارچ اپریل ۴۳ء جلد ۲۴ عدد ۳-۴)

مانا کہ اس عبارت میں منصب حکومت وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں مگر جو آیت مودودی صاحب نے لکھی ہے اس میں بھی تو اس قسم کا کوئی تذکرہ موجود نہیں۔ پھر انھوں نے اسے منصب حکومت اور اسمبلی کی ممبری پر کیسے چسپاں فرما دیا؟

ان کی یہ عبارت اسی لئے تو نقل کی گئی ہے کہ اگر وہ اپنی ضد پہ اڑے رہیں اور "علوا" کو محض برتری اور مطلق بلندی ہی پر محمول فرمائیں تو اس کا امیدوار انھوں نے اپنی ساری جماعت کو بنا دیا ہے اور یقیناً وہ خود بھی اس کے امیدواروں میں ہیں۔ اس لئے مودودی صاحب اور ان کی جماعت کو چاہیئے کہ وہ اس آیت کو دوسروں کے سامنے پیش کرنے سے پہلے اپنے اوپر پڑھ کر دم کرلیں۔

اس کے بعد مودودی صاحب نے تین حدیثیں نقل کی ہیں اور ان سے یہ ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ منصب حکومت کی امیدواری

جائز نہیں۔

پہلی حدیث حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ کے متعلق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

لا تسأل الامارة فانك ان اعطيتها عن غير مسئلة اعنت عليها وان اعطيتها عن مسئلة وكلت اليها (بخاری ومسلم)

ترجمہ:- حکومت کی طلب نہ کر اگر وہ تجھے بے طلب دی گئی تو خدا کی طرف سے تیری مدد کی جائے گی اور اگر وہ تیرے مانگنے سے تجھے دی گئی تو تجھ کو اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔

دوسری حدیث بروایت حضرت ابوہریرۃؓ نقل کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تجدون خير الناس اشد هم كراهية لهذا الامر حتى يقع فيه۔ (بخاری ومسلم)

ترجمہ:- تم لوگ ایسے شخص کو بہترین اشخاص میں سے پاؤ گے جو حکومت کے منصب سے سخت کراہت رکھتا ہو یہاں تک کہ وہ مجبوراً اس میں مبتلا کر دیا جائے۔

تیسری حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت سے پیش کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے رشتہ داروں میں سے دو آدمیوں کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان دونوں صاحبوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم کو حکومت میں کسی منصب پر

مقرر فرمایا جائے۔ اس کے جواب میں آنحضرتؐ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس کے مختلف فقرے مختلف روایات میں وارد ہوئے ہیں۔ بخاریؒ مسلم کی ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا۔

انا واللہ لانولی علی ھذا العمل احدا سالہ ولا احدا حرص علیہ۔

ترجمہ:۔ خدا کی قسم ہم اس حکومت کے منصب پر کسی ایسے شخص کو مقرر نہیں کرتے جو اس کا طالب ہو اور نہ ایسے شخص کو جو اس کا حریص ہو۔

دوسری روایت میں ہے۔

لانستعمل علی ھذا اعملنا من ارادہ۔

ترجمہ:۔ ہم اپنی حکومت کے کسی کام میں ایسے شخص کو استعمال نہیں کرتے جو اس کی خواہش رکھتا ہو۔

ابوداؤد میں آپ کے یہ الفاظ ہیں۔

ان اخونکم عندنا من طلبہ۔

ترجمہ:۔ ہمارے نزدیک سب سے بڑا خائن وہ شخص ہے جو اس چیز کا طالب ہو۔

مودودی صاحب نے ان روایات میں عموم و شمول سمجھ کر صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کی امیدواری خلافت کو بھی ناجائز اور خلافِ قرآن و حدیث قرار دیا ہے۔ انھوں نے اس بات کی بھی پروا نہیں کی کہ اس صورت میں حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم

کی خلافت بھی شرعاً ناجائز ہو جائے گی۔

ہمارے نزدیک مودودی صاحب کی یہ مراد قطعاً باطل و مردود ہے دلائل شرعیہ کی روشنی میں روایات منقولہ کا صحیح اور صاف مطلب یہ ہے کہ جس طالب امارت میں شرائط طلب نہ پائی جائیں وہ اس کی طلب نہ کرے نہ ایسے طالب کو ہم کوئی عہدہ دیں گے۔ اس قسم کے امیدوار کو اگر کوئی منصب حاصل بھی ہو جائے تو اللہ تعالٰی کی توفیق و تائید اس کے شامل حال نہیں ہوتی بلکہ وہ اس منصب کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ اور حرص و طمع کے ساتھ منصبِ حکومت طلب کرنے والا ہمارے نزدیک سب سے بڑا خائن ہے۔

کیا یہ ممکن نہیں کہ جن طالبینِ منصب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب سے منع فرما کر یہ ارشاد فرمایا کہ ہم طالب و حریص کو منصب نہیں دیتے۔ ان کی باطنی کیفیت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نورِ نبوت سے مطلع ہو گئے ہوں اور حضورؐ نے یہ دریافت فرما لیا ہو کہ یہ لوگ ابھی اس قابل نہیں ہوئے کہ ان کی طلب پر وہ عہدہ انہیں دے دیا جائے۔ اور یہ ارشاداتِ مقدسہ ان لوگوں کے لئے شمعِ ہدایت کا کام دیں جو حرص و طمع سے اندھے ہو کر مناصبِ حکومت کو حاصل کرنے کی جدوجہد کریں گے۔

ہم نے بیانِ سابق میں اس امر کی وضاحت کر دی ہے کہ ہماری اس بحث کا تعلق موجودہ زمانہ کے امیدواروں سے نہیں۔ ہمارا مقصد

صرف یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً سیدنا علی کرم اللہ وجہہ
کے مقدس دامن سے ان بدنما داغوں کا ازالہ کر دیں جو مودودی صاحب
نے لگائے ہیں۔ ہمارے اس دعوے پر کہ طلب امارت کی شرائط کے
ساتھ رضائے الٰہی کی خاطر حکومت کا عہدہ طلب کرنا جائز ہے۔
حضرت علیؓ کا عمل ہی ثبوت کے لئے کافی تھا لیکن مودودی صاحب
اسے خلافِ قرآن و حدیث سمجھ کر اس کے حجت ہونے کے منکر ہیں۔ اس
لئے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے یہ ثابت کرتے ہیں
کہ طلبِ منصب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس میں شرائط طلب پائے
جائیں۔ وہ جائز ہے۔ اور ایسے طالبِ منصب کے لئے جنت کا وعدہ
ہے۔ دوسری وہ جو ان شرائط سے خالی ہو، اس کی بنیاد حرص وطمع،
ظلم وجور کے سوا کسی چیز پر نہ ہو ایسی طلب ناجائز ہے اور اس طالب
کے لئے نارِ جہنم کی وعید ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
من طلب قضاء المسلمین حتی ینالہ ثم غلب عدلہ جورہ فلہ
الجنۃ ومن غلب جورہ عدلہ فلہ النار۔ رواہ ابوداؤد۔
(مشکوٰۃ شریف ص۳۲۴)

ترجمہ: جس نے قضاء مسلمین کا عہدہ طلب کیا یہاں تک کہ
اسے پالیا۔ پھر اس کا عدل اس کے جواز پر غالب آگیا تو اس کے
لئے جنت ہے اور جس کا ظلم اس کے عدل پر غالب آگیا تو اس کے

لئے دوزخ ہے۔

اس حدیث میں عہدۂ قضاء طلب کرنے والے کے لئے (جبکہ وہ
ظلم سے بچ کر عدل وانصاف کرے) جنت کا وعدہ ہے۔ اگر عہدۂ قضاء
کی طلب مطلقاً ناجائز وحرام اور فرمانِ خدا و رسول کے خلاف ہوتی تو
بہر حال میں اس پر وعدۂ جنت کے بجائے جہنم کی وعید ہوتی۔
مودودی صاحب اس حدیث کے متعلق رقمطراز ہیں کہ:
"یہاں جواز و عدم جواز یا کراہت واستحباب کی بحث ہے
ہی نہیں" (انتخابی جدوجہد ص۲۵)

سبحان اللہ جب کوئی جواب نہ بن پڑا تو آپ نے جواز و عدم جواز
کی بحث ہی کو سرے سے اڑا دیا۔ ع
خوب ہوگا کہ نہ سر ہوگا نہ سودا ہوگا

کیا مودودی صاحب فرما سکتے ہیں کہ جن حدیثوں سے انھوں نے
طلبِ منصب کو مطلقاً ناجائز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ان میں
جواز و عدم جواز یا استحباب کی بحث ہے؟

ناظرین کرام غور فرمائیں کہ مودودی صاحب ایک جگہ جواز و عدم
جواز کی بحث کو مفید مطلب سمجھ کر تسلیم کر لیتے ہیں اور دوسری جگہ خلافِ
مدعا جان کر اس کا انکار فرما دیتے ہیں۔ فیا للعجب!
ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

اب میں بتاؤں کہ شارحین حدیث نے اس حدیث کی کیا تشریح فرمائی

ہے؛ علامہ طیبی شارح مشکوٰۃ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

وقد یختلج انہ قد سبق من طلب القضاء وکل الی نفسہ فکیف قسمہ فی ھذا الحدیث الی من غلب عدلہ ومن غلب جورہ وحاصل ما یوجہ بہ الکلام ان المراد بالطلب ھھنا ما یکون طلبہ وثوقاً من نفسہ اقامۃ وطالبا للتوفیق والتائید من اللہ ومثلہ لا یکون موکولا الی نفسہ والذی غلب جورہ عدلہ اشارہ الی من لا یکون حالہ کذلک وھو یکون موکولا الی نفسہ فیغلب جورہ عدلہ۔ انتھی۔

ترجمہ:۔ یہاں یہ خلجان پیدا ہوتا ہے کہ جب اس سے پہلے حدیث میں یہ گذر چکا ہے کہ جس نے عہدۂ قضا طلب کیا اس کو اس کے نفس کے حوالہ کر دیا جاتا ہے؟ تو پھر اس طلب کو باعتبار غلبۂ عدل و غلبۂ جور قسموں (فلہ الجنۃ ولہ النار) کی طرف کیسے منقسم فرمایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں (جس طلب پر وعدۂ جنت ہے اس سے) وہی طلب مراد ہے جس میں طالب کو اقامت حق میں اپنے نفس کی جانب سے پورا اطمینان ہو اور باایں ہمہ وہ، طالب توفیق و تائید الٰہی بھی ہو۔ اس جیسے شخص کو منجانب اللہ اس کے نفس کے حوالہ نہیں کیا جاتا (بلکہ وہ مزید من اللہ ہوتا ہے) اور جس طلب میں وعید جہنم ہے اس سے وہ طلب مراد ہے جس میں طالب کو اقامت حق پر اپنے نفس کی طرف سے وثوق کامل نہ ہو (بلکہ وہ اقامت حق سے عاجز ہو یا کسی کی رعایت و مروت میں

ارتکاب ظلم کا اندیشہ رکھتا ہو) نیز وہ توفیق و تائید ایزدی کا طالب بھی نہ ہو (الفاظ حدیث "والذی غلب جورہ عدلہ" (جس کا ظلم اس کے عدل پر غالب ہو جائے) ایسے ہی شخص کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ جس کا حال ایسا نہ ہو جیسا کہ طالب توفیق کا ہوتا ہے) اور اس کو اس کے نفس کے حوالے کر دیا جاتا ہے تو اس کا ظلم اس کے عدل پر غالب ہو جاتا ہے (یعنی بجز ظلم کے اس سے عدل کا صدور ہی نہیں ہوتا)

الحمد للہ۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کا وہی مطلب بیان کیا ہے جو ہم عرض کر چکے تھے۔ علامہ موصوف نے طلب قضاء کی دو قسمیں بیان فرما کر ان تمام شکوک و اوہام کا ازالہ فرما دیا جو مودودی صاحب کے بیان سے پیدا ہوئے تھے۔ اور صحابہ کرام خصوصاً حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی ذوات قدسیہ سے وہ الزامات بھی کلیۃً دور کر دیئے جو مودودی صاحب نے ان پر عائد کئے تھے۔

میں اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ مودودی صاحب کی اجتہادی نگاہ بصیرت جس میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے عمل کا کوئی وزن قائم نہیں ہو سکتا۔ علامہ طیبی کے کلام کو کیا وقعت دے سکتی ہے؛ لیکن اہل حق بھی ایسے شخص کی رائے کو پر پشہ کے برابر بھی نہیں سمجھتے۔ جو مولائے کائنات پر فرمان خدا و رسول کی مخالفت کا الزام لگاتا اور اس کی رائے کو حقیر سمجھتا ہے۔

بہرکیف یہ امر آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہو گیا کہ طلب امارۃ

کے ناجائز ہونے پر مودودی صاحب نے جو روایات پیش کی ہیں ان میں
عموم نہیں بلکہ ان کا ایک خاص محمل ہے۔ یعنی شرائط طلب مفقود ہونے
کی صورت میں حرص وطمع اور دنیوی مفاد کی خاطر طلب قضاء جائز
نہیں۔ احادیث میں ایسی مثالیں بہت مل سکتی ہیں جن میں الفاظ عموم
ہونے کے باوجود محمل خاص مراد ہے۔ یہاں چند حدیثیں بیان کی جاتی
ہیں۔ شاید مودودی صاحب انھیں سمجھنے کی کوشش کریں۔

(۱) من سکن البادیۃ جفا ومن اتبع الصید غفل ومن
اتی السلطان افتتن۔

(رواہ احمد والترمذی والنسائی مشکوٰۃ شریف ص۳۲)

ترجمہ:۔ جس نے دیہاتی سکونت اختیار کی وہ قسی القلب ہوگیا
اور جس نے شکار کا پیچھا کیا وہ طاعت الٰہی سے غافل ہوگیا۔ اور جو
بادشاہ کے پاس آیا وہ فتنہ میں مبتلا ہوگیا۔

(۲) ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث وفی روایۃ ولا
تنافسوا متفق علیہ۔

ترجمہ:۔ تم اپنے آپ کو ظن سے بچاؤ۔ اس لئے کہ ظن اکذب
حدیث ہے اور ایک روایت میں ہے کہ تم رغبت نہ کرو۔

(۳) ان المیت لیعذب ببکاء اھلہ الیہ

ترجمہ:۔ بے شک میت پر اہل میت کے رونے کی وجہ سے
عذاب ہوتا ہے۔

کیا مودودی صاحب کے نزدیک ان حدیثوں میں بھی عموم وشمول ہے؟
کیا وہ تمام صحابہ کرام اور سلف صالحین جو دیہات میں سکونت پذیر
رہے معاذ اللہ سب قسی القلب ہوگئے تھے؟ یا جن اکابر ملت نے
کبھی شکار کر لیا مودودی صاحب انھیں لہو ولعب کا مرتکب اور اطاعت
الٰہی سے غافل سمجھتے ہیں۔ کیا وہ بزرگان ملت جو شرعی ضرورتوں کے
پیش نظر بادشاہوں کے پاس گئے مبتلائے فتنہ ہوگئے؟ کیا مودودی
صاحب بتا سکتے ہیں کہ ہر قسم کا ظن (خواہ وہ کسی مومن کے حق میں حسن ظن
ہی کیوں نہ ہو) اکذب الحدیث ہے؟ اور "ولا تنافسوا" کے تحت ہر قسم
کا تنافس ممنوع ہے؟ اگر یہاں عموم صحیح ہو تو آیت قرآنی وفی ذلک
فلیتنافس المتنافسون کے کیا معنی ہوں گے؟ کیا یہ بات کسی طرح صحیح ہو
سکتی ہے کہ ہر میت کو (خواہ وہ کیسا ہی متقی کیوں نہ ہو) اس پر اس کے
اہل کے رونے کی وجہ سے ضرور عذاب ہوتا ہے۔

غالباً کوئی معمولی سمجھ والا انسان بھی ان حدیثوں میں عمول وشمول
کا قائل نہیں ہوسکتا۔ پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ استحالۂ شرعی کے
باوجود مودودی صاحب اپنی پیش کردہ حدیثوں میں عموم وشمول کے کیسے
قائل ہوگئے؟

یہاں مودودی صاحب یہ ضرور کہیں گے کہ اس فتنہ کے زمانہ میں
اگر طلب حکومت کو بالعموم ناجائز قرار دے کر امیدواری کے دروازوں
کو پوری طرح بند نہ کیا جائے تو حکومت کے ذمہ دار عہدے نااہلوں سے

محفوظ نہیں رہ سکتے۔

اس کے جواب میں گزارش ہے کہ شریعت مطہرہ کے حکم خاص کو عام کر دینا آپ کے اختیار میں نہیں۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو یہ ادعائے تشریع ہوگا جس کا دروازہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بند ہے۔ پھر یہ کہ مسائل دینیہ کو کسی زمانہ میں بھی کسی اعتبار سے ناکافی سمجھنا، انھیں ناقابل عمل قرار دینا ہے۔ ملحدین زمانہ آج کل یہی کہہ رہے ہیں کہ اسلام و قرآن کے احکام آج سے تیرہ سو برس پہلے قابل عمل ہوں گے مگر اس دور کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے وہ کسی طرح کافی نہیں ہو سکتے۔

امیدواری کے بالعموم ناجائز ہونے کو اگر آپ اسلام کا مستقل اصول قرار دینے کے بجائے اسے اپنے انتخابی دستور کا ایک اصول بنا لیتے جیسا کہ عام طور پر انجمنیں اور جماعتیں قواعد و ضوابط کے ضمن میں اپنے اصول و آئین وضع کر لیتی ہیں تو اس صورت میں متوقع مفاسد کا انسداد بھی ہو جاتا اور ہمیں اس مسئلہ میں آپ کے ساتھ کوئی اختلاف بھی نہ رہتا۔

آگے چل کر مودودی صاحب نے حضرت علیؓ اور حضرت عثمان غنیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی کمزوریاں بیان کرتے ہوئے حضرت عمرؓ کے آخری وقت کے وہ الفاظ نقل کئے ہیں جو انھوں نے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمائے تھے۔

وما ینبغی منك یا عثمان الا عصبیتك وحب قومك وما ینبغی منك یا علی الا حرصك علیها وانك احری القوم ان ولیتها ان تقیم علی الحق المبین والصراط المستقیم (الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہ ص۲۳) (انتخابی جد و جہد ص۱)

ترجمہ:۔ اے عثمان مجھے تم کو اپنا جانشین تجویز کرنے سے کوئی چیز نہیں روکتی مگر یہ کہ تم اپنے خاندان (بنی امیہ) کے لئے تعصب رکھتے ہو اور ان کی محبت میں گرفتار ہو۔ اور اے علی تم کو اپنا جانشین بنانے سے مجھے کوئی چیز نہیں روکتی مگر یہ کہ تم اس کے خواہشمند ہو ورنہ حق یہ ہے کہ اس پورے گروہ میں سب سے بڑھ کر تم ہی ایسے آدمی ہو کہ اگر منصب خلافت پر مقرر کئے جاؤ تو ٹھیک ٹھیک حق اور راہ راست پر قائم رہو گے۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کو منصب خلافت کے لئے ان کی اس کمزوری کی وجہ سے تجویز نہ کیا کہ وہ اپنی قوم (بنی امیہ) کے لئے تعصب رکھتے تھے اور ان کی محبت میں گرفتار تھے اور حضرت علیؓ باوجودیکہ ان کی نظر میں سب سے زیادہ خلافت کے اہل تھے اور منصب خلافت پر قائم کئے جانے کے بعد وہ ٹھیک ٹھیک حق مبین اور صراط مستقیم پر قائم رہتے مگر ان میں کمزوری یہ تھی کہ وہ منصب خلافت کے خواہشمند اور اس پر حریص تھے۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے انھیں بھی منصب خلافت کے لائق نہ سمجھا۔

مودودی صاحب کا یہ انداز بیان ان کے اس مقصد کو واضح کر رہا ہے کہ وہ مقولہ کو نقل کر کے لوگوں کے ذہن میں اپنے اس نظریہ کی پختگی پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ منصب حکومت کے خواہشمند کو خواہ اس میں کتنے ہی

کیوں نہ پائے جائیں اور وہ اس کا کتنا ہی حقدار کیوں نہ ہو کسی حال میں وہ منصب دینا جائز نہیں۔

لیکن قابل غور یہ امر ہے کہ اگر یہاں جواز و عدم جواز کی بحث کو تسلیم کر لیا جائے تو اس مقولہ کی رو سے جس طرح منصب حکومت کے خواہشمند کو وہ منصب دینا ناجائز ثابت ہوگا بالکل اسی طرح اپنی قوم کے لئے عصبیت رکھنے والے اور "حب خاندان" کو بھی حکومت کا کوئی عہدہ دینا ناجائز ثابت ہو جائے گا۔ نتیجہ واضح ہے کہ مودودی صاحب کے نظریات کی بنا پر جیسے حضرت علیؓ کی خلافت ناجائز قرار پا چکی ہے ویسے ہی حضرت عثمانؓ کی خلافت بھی ناجائز قرار پائے گی۔ اور یہ حقیقت ہے کہ مودودی صاحب حضرت عثمانؓ کو خلافت کا اہل نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں اسلام کا اجتماعی نظام صحیح معنی میں اسلامی نہ تھا بلکہ اس میں جاہلیت (کفر و شرک) کی آمیزش ہو چکی تھی۔ دیکھئے وہ تجدید و احیاء دین میں صاف لکھتے ہیں۔

"اور دوسری طرف حضرت عثمانؓ جن پر اس کار عظیم (خلافت) کا بار رکھا گیا تھا ان تمام خصوصیات کے حامل نہ تھے جو ان کے جلیل القدر پیش رووں کو عطا ہوئی تھیں اس لئے جاہلیت کو اسلامی نظام اجتماعی کے اندر گھس آنے کا راستہ مل گیا۔"

(تجدید و احیائے دین ص۲۲)

ناظرین کرام غور فرمائیں کہ اس عبارت میں کس دلیری سے مودودی صاحب نے حضرت عثمانؓ کی نااہلی بیان فرمائی ہے۔ اور کس انوکھے طرز میں ان کی

خلافت کو جاہلیت میں تبدیل کر دیا۔

مودودی صاحب کی نظر میں خلافت راشدہ کا عبرتناک انجام

مودودی صاحب نے تجدید و احیاء دین کے صفحہ ۲۲ پر خلافت راشدہ کا ذکر کرتے ہوئے صرف حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو کامل لیڈر[1] قرار دیا ہے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی خلافت کو خلافت راشدہ نہیں کہا۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک حضرت علیؓ کی خلافت سرے سے جائز ہی نہ تھی پھر وہ خلافت راشدہ کیسے ہوتی؟ اور حضرت عثمانؓ ان کے نزدیک خلافت کے اہل نہ تھے۔ اسی لئے انھوں نے حضرت عثمانؓ کی خلافت کے چند ابتدائی سالوں میں وہ نقشہ تسلیم کیا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمایا تھا۔ باقی تمام دور عثمانی ان کے خیال میں جاہلیت کی نذر ہو گیا۔ کیونکہ جب بقول ان کے اسلامی نظام میں جاہلیت گھس آئی تو اسلام یقیناً رخصت ہو گیا۔ اس لئے کہ جاہلیت کے ساتھ اسلام کا اجتماع کسی طرح ممکن ہی نہیں۔ اس صورت میں مودودی صاحب کے نزدیک خلافت راشدہ کا جو عبرتناک انجام ہوا وہ ظاہر ہے کہ چند ابتدائی سالوں کے علاوہ خلافت عثمانی کا سارا دور جاہلیت کی بھینٹ چڑھ گیا اور لطف یہ ہے کہ اس وقت سے لے کر آج تک جاہلیت کا وہ طوفان بڑھتا ہی رہا۔ حضرت عثمانؓ نے اس کو روکنے کے لئے اپنا سر دیا مگر بیکار رہا۔ حضرت علیؓ نے جان قربان کی مگر

[1] لیکن حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو باوجود ان کی عصبیت قومی اور قوم کے، ان کو شوریٰ میں شامل کر دیا۔ مودودی صاحب کے نزدیک تو یہ جائز نہیں۔ کیا اب بھی وہ کامل لیڈر رہے؟ ۔۱۲

پھر نہ ہوا حضرت عثمانؓ کی خلافت کے چند ابتدائی سالوں کے بعد اسلامی نظام جاہلیت کی لپیٹ میں آگیا اور اب تک جاہلیت کے زیر اثر ہے اب مودودی صاحب اس کو از سر نو اصلی صورت میں قائم کر کے مجددیت کے فرائض انجام دیں گے۔

یہ ہے حقیقت مودودی نظریات کی روشنی میں اس خلافت علی منہاج النبوت کی جس کی بنیادوں پر انھوں نے بزعم خود اپنی تحریک کو قائم کیا ہے۔

مجھے حیرت ہے کہ مودودی صاحب اتنی سیدھی اور صاف بات کو بھی نہ سمجھ سکے کہ اگر حضرت عمرؓ کے نزدیک خلافت کے خواہشمند کو خلافت دینا ناجائز ہوتا تو وہ ان چھ آدمیوں میں حضرت علیؓ کو کیسے شامل کر لیتے جن کی بابت امر خلافت کو مفوض فرمایا تھا۔ کیا ان کی نظر سے بخاری شریف کی یہ حدیث بھی نہیں گزری۔

عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ما احد احق بھذا الامر من ھؤلاء النفر الذین توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو عنھم راض فسمی علیا وعثمان والزبیر وطلحۃ وسعداً وعبد الرحمٰن رواہ البخاری مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۵

(حضرت عمرؓ نے (آخری وقت میں) فرمایا کہ ان لوگوں سے زیادہ خلافت کا حقدار کون ہو سکتا ہے جن سے راضی ہونے کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات فرمائی۔ پھر حضرت عمر نے علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد اور عبدالرحمٰن کا نام لیا رضی اللہ عنہم اجمعین) اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا۔

لہ حضرت عمرؓ کی بجائے اگر مودودی صاحب ہوتے تو حضرت علیؓ کو ان چھ حضرات میں ہرگز شامل نہ کرتے کیونکہ ان کے نزدیک ایسا کرنا اسلام کے مستقل اصول کے خلاف تھا۔ ۱۲

ہمارے نزدیک حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو منصب خلافت کے لئے تجویز کرنے میں حضرت عمرؓ کا اپنی ہچکچاہٹ ظاہر کرنا ان دونوں حضرات میں کسی کمزوری کے احساس کی بنا پر نہ تھا بلکہ اس احساس ذمہ داری اور خوف خدا پر مبنی تھا جو ایک عظیم الشان پرہیزگار متقی امیر المومنین ہونے کی حیثیت سے ان کے شایان شان تھا۔ ورنہ وہ جانتے تھے کہ عثمان غنیؓ کے دل میں اپنی قوم کے لئے عصبیت و محبت کا جذبہ کسی نفسانی خواہش کی بنا پر نہیں بلکہ وہ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کا مظہر کامل ہیں اور ان کی اس عصبیت و محبت کا دارومدار اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر ہے کہ تم ذوی القربیٰ کے ساتھ صلہ رحمی اور احسان کرو۔ اسی طرح حضرت علیؓ کی خواہش بھی ان کے نزدیک طمع نفسانی اور خواہشات دنیوی کی بنا پر نہ تھی۔ حضرت عمرؓ خوب سمجھتے تھے کہ علی مرتضیٰؓ محض رضائے الٰہی کی خاطر منصب خلافت کے خواہشمند ہیں۔ اگر انہیں ان دونوں بزرگوں میں ذرہ برابر کمزوری نظر آتی تو وہ ان چھ صحابہؓ میں سے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو ہرگز شامل نہ کرتے جنھیں خلافت کا معاملہ سونپا تھا کیونکہ ایسا کرنا فاروق اعظمؓ کے احساس ذمہ داری، خوف خدا، حزم و احتیاط اور ان کی سیاسی بصیرت کے قطعاً منافی تھا۔ پھر حضرت عمرؓ اپنے اس مقولہ میں اُن مطلب پرست اور اقتدار پسند لوگوں کے لئے رُشد و ہدایت کا ایک پیغام بھی دے گئے جو حضرت عثمانؓ کی عصبیت قومی اور حضرت علیؓ کی امیدواری خلافت کو آڑ بنا کر اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے والے ہوں گے۔

مختصر یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت عثمانؓ کی عصبیت

وجہت قومی ان کے حق میں کوئی کمزوری تھی نہ حضرت علیؓ کی امیدواری خلافت فرمان خدا و رسول کی خلاف ورزی۔ بلکہ دونوں مقدس ہستیوں کا جذبۂ محبت وطلب تعمیل ارشاد ایزدی اور تحصیل رضائے الٰہی پر مبنی تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان کی نامزدگی خلافت میں اپنے قول سے اپنی ہچکچاہٹ ظاہر کرکے ایک طرف تو اپنا احساس ذمہ داری کا اظہار کر دیا اور دوسری طرف خلاف شرع قومی عصبیت رکھنے والوں اور طمع دنیوی کی خاطر منصب حکومت کے امیدواروں کو تنبیہ فرما دی کہ تم اپنی اس ناجائز قومی عصبیت اور حُبِّ ریاست کی وجہ سے منصب حکومت کے اہل نہیں ہو سکتے۔ پھر ان دونوں بزرگوں کو مستحقین خلافت میں شامل کرکے عملی طور پر دونوں کی پوزیشن کو واضح کر دیا تاکہ کسی دشمن کو ان پر ناجائز عصبیت اور دنیاوی حرص کی خاطر طلب خلافت کا الزام لگانے اور انہیں خدا و رسول کے فرمان کا مخالف کہنے کا موقع نہ ملے۔

قرآن مجید کی روشنی میں مسئلہ امیدواری کا حل اور مودودی صاحب کے شبہات کا ازالہ

قرآن مجید میں (جس کی شان "تبیاناً لکل شئی" اور "بینات من الہدیٰ" ہے) ایک آیت بھی ایسی نہیں جس سے منصب حکومت کی طلب کا ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہو، بلکہ اس میں ایسی صاف اور صریح آیتیں موجود ہیں جن سے واضح طور پر ثابت ہے کہ طمع دنیاوی سے پاک ہو کر رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لئے منصب حکومت کی طلب جائز بلکہ سنت انبیاء علیہم السلام ہے۔ ان میں سے پہلی آیت یہ ہے۔

اجعلنی علی خزآئن الارض انی حفیظ علیم۔

ترجمہ:۔ مجھے ملک کے خزانوں پر حاکم مقرر کردے میں حفاظت کرنے والا جاننے والا ہوں۔

یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر سے فرمایا کہ مجھے ملک کے خزانوں پر بطور حاکم مقرر کردے۔ اگر منصب حکومت کی طلب ناجائز ہوتی تو یوسف علیہ السلام کیوں طلب فرماتے اور اگر یہ حکم شریعت محمدیہ میں منسوخ ہوتا تو اللہ تعالےٰ اس پر انکار فرما دیتا۔ مگر ایسا نہیں ہوا اس لئے ہماری شریعت میں بھی یہ حکم بدستور باقی رہا۔

جب مودودی صاحب سے اس آیت کریمہ کا کوئی معقول جواب نہ ہو سکا تو بادل نخواستہ فرماتے ہیں "حضرت یوسف کا یہ واقعہ محض استثنائی نظیر ہے، عام قانون یہی ہے کہ ایک خدا ترس آدمی کو خود برتری اور بالادستی کا طالب نہ ہونا چاہیئے۔"

ناظرین کرام غور فرمائیں کہ عام قانون کے لئے قرآن مجید میں یا ایک لفظ بھی نہیں پایا جاتا جس سے طلب منصب کی مخالفت مفہوم ہوتی ہو اور استثناء کی نظیر میں پوری آیت موجود ہے۔ شاید مودودی صاحب اس معمہ کو حل کر سکیں؟ پھر یہ کہ جس کلیہ سے کسی فرد کو خاص کر لیا گیا وہ عام کب رہا؟ اسے عام قانون کہنا مودودی صاحب کی جدتِ طبع نہیں تو اور کیا ہے۔

آگے چل کر مودودی صاحب نے صورت استثناء کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "اگر کوئی صالح شخص یا گروہ یہ دیکھے کہ ملک میں کوئی صالح آدمی یا گروہ اس

کے سوا موجود نہیں اور اس بات کا اندیشہ ہے کہ اگر اس نے خود آگے بڑھ کر زمام کار ہاتھ میں نہ لی تو خدا کی زمین کا انتظام فساق و فجار یا کفار و مشرکین کے ہاتھ میں چلا جانے کا تو اس وقت اس صالح شخص یا گروہ کے لئے جائز بلکہ لازم ہے کہ اپنے آپ کو منصب حکومت کے لئے خود بخود پیش کر دے۔ یوسف علیہ السلام کا یہ مطالبہ ایسے ہی حالات میں ہوا تھا۔ اگر ہمارے ملک میں بھی یہ صورت حالات پیدا ہو جائے تو ہم بھی صلحاء کے لئے امیدواری کو جائز قرار دیں گے:

بے بنیاد عمارتیں اسی طرح منہدم ہوا کرتی ہیں اور بناوٹی اصول کا یہی عبرتناک انجام ہوتا ہے ناظرین کرام نے دیکھا کہ مودودی صاحب کے کلیہ کی نزاکت ایک خفیف سے معارضہ کی بھی تاب نہ لا سکی اور ان کے مستقل اسلامی اصول کا عموم و شمول استثناء کی نذر ہو کر خصوص کی شکل میں تبدیل ہو کر رہ گیا یعنی مودودی صاحب نے اس آیت کے پیش نظر ایک صورت میں طلب حکومت کے جواز کو تسلیم کر لیا اور یہ مان گئے کہ ہمارے عدم جواز کے حکم میں عموم و شمول نہیں۔

اگر مودودی صاحب اس کے ساتھ ہی ہماری پیش کردہ حدیث "من طلب قضاء المسلمین" کے مطابق اس بات کو بھی تسلیم کر لیتے کہ احساس ذمہ داری اور حکومت کی اہلیت رکھتے ہوئے فوائد دنیوی سے بے نیاز اور حرص و طمع سے پاک ہو کر اپنے نفس کی جانب سے اقامت حق کے بارہ میں وثوق کامل کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی طرف سے توفیق طلب کرتے ہوئے رضائے الٰہی کی خاطر بھی منصب حکومت کا خواہشمند اور امیدوار ہونا جائز ہے جیسا کہ حضرت علیؓ خلافت کے خواہشمند ہوئے اور حضرت سعدؓ بن عبادہ کے اندر امیدواری

خلافت کی بو پائی گئی اور اس میں ان کا کیا حرج تھا۔ کتاب و سنت کی کونسی نص انھیں اس قول سے روکتی تھی اور شرعی نقطۂ نظر سے اس میں کیا قباحت لازم آتی تھی؟ بجز اس کے کہ اس صورت میں مولائے کائنات سیدنا علی مرتضےٰ اور رئیس الانصار سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالےٰ عنہما کا دامن، ان پر عائد کردہ معصیت کے بدنما داغوں سے پاک ہو جاتے۔ اگر مودودی صاحب کے نزدیک ان پاکبازوں کا ارتکاب معصیت سے پاک ہونا ہی شرعاً قبیح ہے تو وہ شوق سے اپنی ضد پر اڑے رہیں۔ لیکن کوئی حق پسند مسلمان ان کے اس نظریہ کو قبول نہیں کر سکتا۔

آخر میں مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ اگر خدا نخواستہ ہمارے ملک میں بھی یہ صورت حالات پیدا ہو جائے (جو یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں تھی) تو ہم بھی صلحا کے لئے امیدواری کو جائز قرار دیں گے" ان کا کھلے لفظوں میں اعتراف شکست اور عوام کی آنکھوں میں دھول ڈالنا ہے۔

جن لوگوں نے مودودی لٹریچر کا مطالعہ کیا ہے ان سے یہ امر مخفی نہیں کہ مودودی صاحب کے نزدیک ان کے ملک میں وہ صورت حال پیدا ہو چکی ہے۔ ان کے خیال میں اسلام و مسلمین جاہلیت (کفر و شرک کے اثرات) کا شکار ہو چکے ہیں۔ وہ صرف انھیں لوگوں کو مسلمان اور صالح سمجھتے ہیں جو جو ان کے مقررہ معیار کے مطابق، اور ان کے گروہ (اسلامی جماعت) میں شامل ہوں۔ اسی صورت حالات کو محسوس کر کے انھوں نے اپنے گروہ صالحین کو الیکشن کے میدان میں کھڑا کیا ہے اور وہ پوری قوت سے اس اندیشہ

کا اعلان کر رہے ہیں کہ اگر گروہ صالحین (جماعت اسلامی) نے آگے بڑھ کر زمام کار ہاتھ میں نہ لی تو خدا کی زمین کا انتظام فساق و فجار کے ہاتھ میں چلا جائے گا اور نظام صالح برپا کرنے کا موقع ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

ان حقائق کی روشنی میں ناظرین کرام غور فرمائیں کہ مودودی صاحب کا یہ آخری جملہ ان کے اعترافِ شکست اور ابلہ فریبی کا آئینہ ہے یا نہیں؟

دوسری آیت ملاحظہ فرمایئے۔

رب ھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی (سورہ ص)

ترجمہ: اے میرے رب مجھے ایسا ملک دے جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو

یہ سلیمان علیہ السلام کی دعا ہے۔ وہ نبی ہو کر اللہ تعالےٰ سے ملک عظیم کے طالب ہیں اور ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نفوس قدسیہ نفسانی خواہشات اور شیطانی اثرات سے پاک ہوتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے سلیمان علیہ السلام کی اس دعا کو قرآن مجید میں بیان فرما کر اس پر انکار نہیں فرمایا۔ لہٰذا امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ) کے لئے جائز ہے کہ وہ سنت سلیمانی کے مطابق پاک باطنی اور نیک نیتی کے ساتھ منصب حکومت کو طلب کرے۔

مودودی صاحب نے اس آیت کریمہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے ان کی قرآن فہمی اور اجتہادی بصیرت پر بہت اچھی روشنی پڑتی ہے فرماتے ہیں۔

"سورہ ص کا تیسرا رکوع نکال کر دیکھ لیجئے وہاں سلسلہ کلام

خود بتا رہا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے یہ دعا فرمانروا ہونے کے بعد کی ہے نہ کہ اس سے پہلے، اور اس کا مدعا یہ نہ تھا کہ خدایا مجھے بادشاہ بنا دے بلکہ یہ تھا کہ مجھے ایسی طاقت بخش جو میرے سوا کسی اور فرمانروا کو حاصل نہ ہو۔ چنانچہ اس کے جواب میں اللہ تعالےٰ نے جو کچھ ان کو دیا وہ یہ تھا کہ ان کے لئے ہوا اور شیاطین کو مسخر فرما دیا۔" (انتخابی جدوجہد ص۹)

مودودی صاحب کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ یہ دعا فرمانروا ہونے کے بعد کی گئی ہے اس لئے اس کا مدعا یہ نہیں ہو سکتا کہ خدایا مجھے فرمانروا کر دے۔ لیکن میں ان سے دریافت کرتا ہوں کہ ایک ایسا مرد متقی جس کا ہدایت پر ہونا دلیل قطعی سے ثابت ہو۔ جب اپنی ہر نماز میں سورہ فاتحہ پڑھتے ہوئے وہ اپنے رب سے یہ دعا کرے کہ اھدنا الصراط المستقیم۔ اے میرے رب۔ مجھے سیدھی راہ دکھا۔

تو کیا مودودی صاحب اس موقع پر بھی یہ کہیں گے کہ چونکہ یہ دعا ہدایت پانے کے بعد کی گئی ہے اس لئے اس کا یہ مدعا نہیں کہ خدایا مجھے ہدایت کر۔ شاید مودودی صاحب کے نزدیک ایک نعمت حاصل ہونے کے بعد اس کے لئے دعا کرنا جائز نہیں۔

رہا یہ شبہ کہ حاصل شدہ چیز کے لئے دعائے حصول بے وجہ بے معنی اور تحصیل حاصل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دراصل دو چیزیں ہیں۔ ایک "نعمت"۔ دوسری "زیادتی نعمت"۔ زیادتی ایک ایسا امر ہے

جس کی کوئی حد متعین نہیں کی جا سکتی۔ کسی نعمت کے حصول کے بعد جب بھی اس کے لئے دعا ہو گی تو اس سے زیادتی مراد ہو گی۔[1]

اس دعائے ہدایت کو لے لیجئے۔ مبادیاتِ اسلام سے ہدایت کا آغاز ہوتا ہے اور اللہ تعالےٰ کی ذات وصفات کے عرفان تک وہ مدارج پہنچتے ہیں۔ پھر چونکہ ذات وصفاتِ باری کے لئے کوئی حد نہیں، اس لئے اس کی معرفت کے درجات بھی کہیں ختم نہیں ہوتے۔ اسی وجہ سے اس کی راہیں بھی بے شمار ہیں لہذا مومن متقی جب بھی یہ دعا کرتا ہے کہ

اھدنا الصراط المستقیم۔ اے میرے رب مجھے سیدھی راہ دکھا

تو اس سے مرتبۂ ہدایت ہی کی طلب مقصود ہوتی ہے مگر اس مرتبۂ ہدایت کی جو اس سے پہلے اسے حاصل نہ تھا۔

بالکل اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کو بھی سمجھ لیجئے کہ وہ فرمانروا ہونے کے بعد بھی فرمانروائی طلب کر رہے ہیں، مقصد یہ ہے کہ اے میرے رب تو نے جس درجہ کی فرمانروائی مجھے عطا فرمائی ہے اس سے زیادہ بلند پایہ فرمانروائی عطا فرما۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی اور شیاطین وجنات کو بھی ان کا تابع فرمان بنا دیا

---

[1] بعض اوقات بقائے نعمت بھی مراد ہوتی ہے۔ اگر سلیمان علیہ السلام کی دعا کو اس شق پر محمول کیا جائے تب بھی ان کا فرمانروائی کے لئے خواہش مند ہونا ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ خواہشِ بقا کے بغیر دعائے بقا بالکل بے معنی ہے۔ ۱۲۔

اب بتایئے! یہ حکومت وفرمانروائی کی طلب ہوئی یا نہیں؟

مودودی صاحب سلیمان علیہ السلام کی اس دعا کے متعلق فرماتے ہیں۔

"اس کا مدعا یہ نہ تھا کہ خدایا مجھ کو بادشاہ بنا دے بلکہ یہ تھا کہ مجھے ایسی طاقت بخش جو میرے سوا کسی اور فرمانروا کو حاصل نہ ہو"

مطلب یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ سے حکومت طلب نہ کی تھی بلکہ ایک ایسی طاقت کا سوال کیا تھا جو سب فرمانرواؤں کی طاقت سے بڑھ کر ہو۔

مودودی صاحب اس مقام پر خود غلطی کا شکار ہوئے ہیں یا انھوں نے دوسروں کو مغالطہ کا شکار کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ انھوں نے اپنے اس بیان میں حکومت وبادشاہت کو طاقت سے الگ اور اس سے متغائر ایک جداگانہ چیز تسلیم کیا ہے۔

میں نہیں سمجھ سکتا کہ مودودی صاحب قوتِ فرمانروائی کو حکومت و بادشاہت سے الگ کر کے کس چیز کو بادشاہت وحکومت سمجھتے ہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ فرمانروائی، حکومت اور بادشاہت کی حقیقت، طاقتِ فرمانروائی اور قوتِ نافذہ کے سوا کچھ نہیں۔ مودودی صاحب ایک جگہ خود بھی اس کی تصریح کر چکے ہیں۔ وہ اسی انتخابی جد وجہد کے صفحہ پر امیدواری کے عیوب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"امیدواری اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے حکومت کی ہوس

طاقت کی حرص اور اقتدار کے لالچ کا دوسرا نام ہے :

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ طاقت و حکومت ایک ہی چیز ہے۔ کیونکہ اگر حکومت، طاقت سے علیحدہ کوئی چیز ہو تو حکومت کی امیدواری کو طاقت کی حرص کہنا کیونکر صحیح ہوگا۔

اب اس عقدہ کو مودودی صاحب کی مستقل قوت اجتہادیہ ہی حل کر سکے گی کہ سلیمان علیہ السلام نے "طاقت" طلب کی تھی حکومت طلب نہیں کی۔

اہل فہم نے کتاب و سنت کی روشنی میں فقہاء کرام کی تصریحات کو بھی اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا کہ انھوں نے "یعوم" "ولا یجوز" فرما کر اسی طلب قضاء کے عدم جواز پر نص فرمائی ہے جو اقتدار پسندی اور طمع دنیوی پر مبنی ہو ورنہ جو طلب غرض صحیح کے تحت دنیوی مفاد سے بالاتر ہو، فقہاء کے نزدیک ہرگز ناجائز نہیں۔ دیکھئے صاحب درمختار فرماتے ہیں۔

استحب الشافعية والمالكية طلب القضاء لخامل الذكر لنشر العلم

(شافعیہ اور مالکیہ نے گمنام شخص کے لئے، علم دین کی نشر و اشاعت کے واسطے طلب قضاء کو مستحب جانا ہے) (شامی جلد ۴ صفحہ ۲۰۶)

جب گمنام کے لئے مستحب ہے تو مشہور کے واسطے جائز تو ضرور ہوگی اب فقہائے احناف کی طرف آیئے، حضرت علامہ شیخ محی الدین البرکوی رحمۃ اللہ علیہ نے (جن سے علامہ شامی ردالمحتار میں جابجا خوشہ چینی فرماتے ہیں) اپنی مشہور کتاب "طریقۂ محمدیہ" میں، اور اس کے شارح علامہ ابوسعید خادمی علیہ الرحمۃ نے "بریقۂ محمودیہ شرح طریقۂ محمدیہ" میں "حُبِ ریاست" اور طلب

جاہ و اقتدار کے مسئلہ میں طویل و بسیط کلام فرمایا ہے۔ وہ ایسی حُبِ ریاست جسے مقاصدِ حسنہ کے حصول کا وسیلہ بنایا جائے، کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

فهذا ان خلا عن المحظور كالرياء والتلبيس وترك الواجب والسنة فجائز بل مستحب لان كل ما يكون وسيلة الى مشروع فمشروع وقال الله تعالى حكاية عن الصالحين واجعلنا للمتقين اماما وهو قول سليمان عليه السلام رب هب لي ملكا لا ينبغي لاحد من بعدي ومن الاصول المقررة ان شريعة من قبلنا شريعة لنا اذا قصه الله او اخبر به الرسول بلا نكير الخ۔

(بریقۂ محمودیہ شرح طریقۂ محمدیہ جلد ثانی ص [illegible])

ترجمہ:۔ ریاست و اقتدار کی وہ خواہش اچھے مقاصد حسنہ کے حصول کا وسیلہ بنایا جائے، اگر ممنوعات شرعیہ مثلاً ریا، تلبیس اور ترک واجب و سنت سے خالی ہو تو جائز بلکہ مستحب ہے، اس لئے کہ جو چیز جائز کام کا وسیلہ ہو وہ بھی جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صالحین کے قول کی حکایت کرتے ہوئے فرمایا "واجعلنا للمتقين اماما" اے اللہ تو ہمیں پرہیزگاروں کا سردار بنا دے، اور جیسے سلیمان علیہ السلام کا یہ قول ہے "رب هب لي ملكا لا ينبغي لاحد من بعدي" اے میرے رب مجھے ایسا ملک دے جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو۔ یہ ثابت شدہ اصول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہم سے پہلی شریعت کا کوئی حکم قرآن مجید میں بیان فرمائے یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی خبر دیں اور اس پر انکار نہ فرمائیں تو وہ حکم بعینہٖ ہماری شریعت کا حکم ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں (والا) ای وان لم يخل عن المحظور (فلا)

یجوز فضلا عن الاستحباب (ترجمہ) اور اگر وہ خواہش، ممنوعات شرعیہ سے خالی نہ ہو تو پھر جائز بھی نہیں چہ جائیکہ مستحب ہو۔

علامہ محی الدین محمد البرکوی اور ابو سعید خادمی کی ان تصریحات نے طلب امارت کے مسئلہ کو آفتاب سے زیادہ روشن کر دیا اور مودودی صاحب کی تمام عرق ریزی و جانکاہی پر پانی پھیر دیا جس سے ان کے تمام دعاوی و دلائل کی تردید اور ہمارے مسلک کے ایک ایک حرف کی تائید ہو رہی ہے۔ اس اقتباس کو پڑھ کر ناظرین پر واضح ہو گیا ہو گا کہ ہم نے جو طلب امارت کی تقسیم کی تھی وہ بالکل حق ہے نیز آیت کریمہ رب ھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی کے جو معنی ہم نے بیان کئے ہیں وہی صحیح ہیں اور مودودی صاحب کی تاویل باطل ہے۔ نیز آیت کریمہ "واجعلنا للمتقین اماما" طلب منصب کی مثبت ہے۔ مودودی صاحب کے بیان کردہ مطالب صحیح نہیں۔

امید ہے کہ اگر ناظرین کرام ہمارے اس پورے مضمون کو اچھی طرح سمجھ کر پڑھ لیں گے تو ان پر مودودی صاحب کے نظریات، اجتہادی بصیرت اور دعاوی و دلائل کی حقیقت بالکل بے نقاب اور واضح ہو جائے گی۔ اب ہم اس بحث کو یہیں ختم کرتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کتاب کے دوسرے حصہ میں مودودیت کے بقیہ خدوخال کا اظہار اور اس کے اصول و نظریات کا ابطال ہدیۂ ناظرین کریں گے۔ وما علینا الا البلاغ المبین۔

مودودی صاحب کی کجروی

قال اللہ تعالیٰ۔ ھو الذی انزل علیک الکتاب منہ آیات محکمات ھن ام الکتاب واخر متشابہات۔ فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ۔ وما یعلم تاویلہ الا اللہ۔ والراسخون فی العلم یقولون امنا بہ کل من عند ربنا وما یذکر الا اولوا الالباب۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ۔ انک انت الوھاب (پ۳۔ سورۃ آل عمران)

اس آیت کے تحت صاحب تفسیرات احمدیہ فرماتے ہیں۔ آیت کے معنی یہ ہیں کہ کتاب اللہ دو قسم کی آیات پر مشتمل ہے۔ محکمات اور متشابہات۔ آیات محکمات وہ ہیں جو احتمال اور اشتباہ سے محفوظ ہیں۔ اور وہ اصل کتاب ہیں اور متشابہات وہ ہیں جن میں اشتباہ اور احتمال پایا جاتا ہے۔ ایسی آیات کو محکمات پر حمل کیا جائے گا اور محکمات کی طرف متشابہات کو لوٹایا جائے گا۔ مثلاً الرحمن علی العرش استوی میں احتمال اور اشتباہ پایا جاتا ہے اور اس کے ظاہر معنی کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے لئے جہت اور مکان ثابت ہوتا ہے۔ لیکن ہم اسے محکم کی طرف لوٹائیں گے اور اسی پر حمل کریں گے اور وہ آیت محکمہ اللہ تعالیٰ کا قول لیس کمثلہ شئی ہے۔ جس میں کوئی اشتباہ اور احتمال نہیں پایا جاتا۔ ایسا کرنے سے ہم کسی شبہ میں مبتلا نہ ہوں گے اور اس حقیقت کو سمجھتے ہیں کہ استوی علی العرش بمعنی جلوس نہیں بلکہ بمعنی غلبہ اور استیلا ہے۔ کیونکہ بیٹھنا اجسام کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان لیس کمثلہ شئی ہے۔

اسی آیۂ قرآنیہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ متشابہات کا علم (استقلالی) صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ نیز یہ کہ اہل زیغ فتنہ اٹھانے کے لئے آیات متشابہات کے پیچھے لگتے ہیں۔ اس لئے اہل حق آیات متشابہات کے پیچھے کبھی نہیں پڑتے۔ اور انہیں محکمات کی طرف لوٹا دیتے ہیں (صفحہ ۱۲۹ تفہیمات احمدیہ)

لیکن امت مسلمہ کے لئے یہ کتنا عظیم المیہ ہے کہ اس زمانے میں لوگ محکمات کو متشابہات کی طرف لوٹانے لگے ہیں بلکہ محکم کو متشابہ قرار دینے لگے ہیں۔ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ محکمات قرآن ہی ام الکتاب ہیں اور وہ ایسے واضح ہیں کہ ان میں کسی قسم کے احتمال اور اشتباہ کی گنجائش نہیں۔ خصوصاً وہ امور جنہیں قرآن کے بنیادی اصول ہونے کی حیثیت حاصل ہو۔ اگر وہ بھی مشتبہ اور محتمل قرار پائیں تو اسلام اور قرآن میں محکم کا وجود ہی باقی نہ رہے گا۔ حالانکہ کتاب اللہ کی اصل اور دین کی بنیاد صرف محکمات ہیں۔ اب جو شخص محکمات میں اشتباہ غلط فہمی کے وقوع کا مدعی ہے در حقیقت وہ قرآن اور اسلام کی بنیادوں کو منہدم کرنے کے درپے ہے۔

مودودی صاحب نے قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں ذکر کیں اور چاروں کے متعلق کہا کہ

"لفظ الٰہ کو قریب قریب بتوں اور دیوتاؤں کا ہم معنی بنا دیا گیا۔ رب کو پالنے اور پوسنے والے یا پروردگار کا مترادف ٹھہرایا گیا۔ عبادت کے معنی پوجا اور پرستش کے کئے گئے۔ دین کو دھرم اور مذہب ... کے مقابلہ کا لفظ قرار دیا گیا۔ طاغوت کا ترجمہ بت یا شیطان کیا جانے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کا اصل مدعا ہی سمجھنا لوگوں کے لئے مشکل ہو گیا۔"

آگے چل کر غلط فہمی کے نتائج کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں۔

"پس یہ حقیقت ہے کہ محض ان چار بنیادی اصطلاحوں کے مفہوم پر

پردہ پڑ جانے کی بدولت قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم بلکہ اس کی حقیقی روح نگاہوں سے مستور ہو گئی ہے۔"

(قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں از ابوالاعلیٰ مودودی طبع پنجم جولائی ۱۹۶۲ء)

مودودی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ قرآن کی بنیادیں آیات محکمات ہیں۔ جن چیزوں کو وہ قرآن کی بنیادی اصطلاحیں قرار دے رہے ہیں۔ وہ سب ام الکتاب ہونے کی حیثیت سے محکمات ہیں۔ اور محکم میں کسی اشتباہ اور غلط فہمی کے لئے گنجائش نہیں۔ یہ ان کی کجروی ہے کہ محکمات کو متشابہات قرار دے رہے ہیں۔ مودودی صاحب کے نزدیک ان الفاظ کے ایسے تراجم کئے گئے کہ ان اصطلاحوں کے مفہوم پر پردہ پڑ گیا۔ جس کی بدولت قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم بلکہ اس کی حقیقی روح لوگوں کی نگاہوں سے مستور ہو کر رہ گئی۔

کیا مودودی صاحب یہ بتا سکتے ہیں کہ لفظ رب کا ترجمہ پالنے پوسنے والا یا پروردگار، اسی طرح لفظ عبادت کے معنی پوجا اور پرستش اور طاغوت کا ترجمہ بت یا شیطان کرنے والے کون لوگ ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہم آگے چل کر اس تلخ حقیقت کو واضح کریں گے اور بتائیں گے کہ مودودی صاحب نے عہد فاروقی ہی سے روح قرآن کا صفایا کر دیا۔

سردست ہم انھیں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ انھوں نے قرآن کی بنیادی اصطلاحوں کے متعلق طویل مضمون میں جو کچھ کہا ہے وہ کوئی نئی بات نہیں۔ الٰہ، رب، عبادت اور دین کے متعلق جتنی آیات مودودی صاحب نے لکھ کر اپنے مضمون کو طویل کیا ہے۔ ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ حاکم حقیقی، مالک حقیقی اور مطاع حقیقی اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ کوئی مسلمان مترجم نے اصطلاحی کلمات اربعہ کے تراجم مودودی صاحب کے نظریہ کے خلاف کئے ہیں۔ اس بات کا قائل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی حاکم یا مالک و مطاع حقیقی موجود ہے۔ بلکہ مت

...ظاہر فرد اعتقاداً اور عملاً اللہ تعالیٰ ہی کو حاکم، مالک اور مطاع حقیقی جانتا اور مانتا ہے
...کسی مسلمان سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔

...رہا معصیت کا صدور تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس نے محکمات قرآن میں کسی اشتباہ
...احتمال کی بناء پر کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو کر معصیت کا ارتکاب کیا ہو۔ بلکہ بشری کمزوری کی
...بناء پر اس سے معصیت کا صدور ہوا۔ جسے قرآن کے بارے میں غلط فہمی پر محمول
...یا انتہائی غلط فہمی کی دلیل ہے۔

...مودودی کی نظر میں فاروق اعظم ...رضی اللہ عنہ کی لاعلمی

اب ہم اس تلخ حقیقت کو مودودی صاحب پر واضح کرنا چاہتے ہیں کہ رب کا ترجمہ پروردگار، پالنے والا اور اسی طرح عبادت کے معنی پرستش اور بندگی اور
...وت کا ترجمہ بت اور شیطان کرنے والے ان کے مقتدا اور پیشوا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی،
...رفیع الدین دہلوی اور مولوی محمود الحسن دیوبندی ہیں۔ ملاحظہ ہوں ان کے تراجم
...صرف یہی نہیں بلکہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طاغوت کا ترجمہ
...طان کیا ہے۔ دیکھئے بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۵۹۔

قال عمر الجبت السحر والطاغوت الشیطان

...حوالہ جات منقولہ بالخصوص سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کو سامنے
...یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مودودی صاحب کے نزدیک فاروق اعظم رضی اللہ
...عنہ ہی کے دور میں قرآن مجید کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم بلکہ اس کی حقیقی روح
...کی نگاہوں سے مستور ہو چکی تھی جو چودہ سو برس کے بعد اب مودودی صاحب
...رآئی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

...احمد سعید کاظمی امروہوی غفر لہ۔ ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیۃ العلماء پاکستان

مولا والا پرنٹرز۔ لاہور

سلسلۂ مطبوعات مرکزی مجلس رضا ۷۶

بانیٔ مجلس: حکیم اہلِ سنّت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ

تصنیف ____ علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر ____ مرکزی مجلس رضا لاہور

اپیل

۱. فرائض و واجبات کی ادائیگی کو ہر کام پر اولیت دیجئے۔ اسی طرح حرام اور مکروہ کاموں اور بدعات سے اجتناب کیجئے کہ اسی میں دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔

۲. فریضۂ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ تمام تر کوشش سے ادا کیجئے کہ کوئی ریاضت اور مجاہدہ ان فرائض کی ادائیگی کے برابر نہیں ہے۔

۳. خوش اخلاقی، حسن معاملہ اور وعدہ وفائی کو اپنا شعار بنایئے۔

۴. قرض ہر صورت میں ادا کیجئے کہ شہید کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں لیکن قرض معاف نہیں کیا جاتا۔

۵. قرآن پاک کی تلاوت کیجئے اور اس کے مطالب سمجھنے کے لیے کلام پاک کا بہترین ترجمہ "کنز الایمان" از امام احمد رضا بریلوی پڑھ کر ایمان تازہ کیجئے۔

۶. دین متین کی صحیح شناسائی کے لیے اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی، دیگر علماء اہل سنت کی تصانیف کا مطالعہ کیجئے۔ جو حضرات خود نہ پڑھ سکیں وہ اپنے پڑھے لکھے بھائی سے درخواست کریں کہ وہ پڑھ کر سنائے۔

۷. فاتحہ، عرس، میلاد شریف اور گیارہویں شریف کی تقریبات میں کھانے، شیرینی اور پھلوں کے علاوہ علماء اہل سنت کی تصانیف بھی تقسیم کیجئے

۸. ہر شہر اور ہر محلہ میں لائبریری قائم کیجئے اور اس میں علماء اہل سنت کا لٹریچر مہیا کیجئے کہ تبلیغ دین کا اہم ترین ذریعہ ہے۔

۹. ہر شہر میں سنی لٹریچر فراہم کرنے کیلئے کتب خانہ قائم کیجئے یہ تبلیغ بھی ہے اور بہترین تجارت بھی

۱۰. انجمن طلباء اسلام کی ہر ممکن امداد اور سرپرستی کیجئے۔

۱۱. اللہ تعالیٰ اور اسکے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکام و فرامین ﷺ پہنچنے ان پر عمل کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کیلئے دعوت اسلامی کی تحریک میں شمولیت اختیار کیجئے

۱۲. مرکزی مجلس رضا لاہور کی رکنیت قبول کیجئے، رکنیت فارم مجلس کے دفتر سے طلب کیجئے۔

مرکزی مجلس رضا لاہور پوسٹ بکس نمبر ۲۲۰۶